بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

نمازِ جمعہ کے لیے اذنِ عام واذنِ حاکم کا حکم
نمازِ جمعہ کے لیے سعی سے متعلق چند اہم پہلوؤں کی تحقیق
گھروں وغیرہ میں نمازِ جمعہ کے جواز سے متعلق ایک تحریر اور چند شبہات کا ازالہ

مؤلف ومرتب
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

مصنِّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات:

طباعتِ اول:

ملنے کے پتے

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
7	تمہید (من جانبِ مؤلف)
9	(مقدمہ) مسلکہ تحریر اور اس پر کلام
//	مسلکہ تحریر کا مضمون
//	مسلکہ تحریر کے مندرجات
15	مسلکہ تحریر کے مندرجات پر کلام
31	(فصل نمبر1) ”سعی الی الجمعۃ“ ومعذور کی تحقیق
//	جمعہ کی سعی سے متعلق آیتِ قرآنی
32	”سعی الی الجمعۃ“ کی توضیح
37	جمعہ سے معذور افراد سے متعلق احادیث
39	اذان پر وجوبِ سعی اور معذور پر وجوبِ جمعہ کی توضیح
43	”کتابُ الأصل“ کا حوالہ

’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ	47
’’المحیطُ البرھانی‘‘ کا حوالہ	48
’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ	50
’’البحرُ الرائق‘‘ کا ایک اور حوالہ	54
’’منحةُ الخالق‘‘ کا حوالہ	〃
’’ردُّ المحتار‘‘ کا حوالہ	55
’’ردُّ المحتار‘‘ کا ایک اور حوالہ	56
’’الجوھرةُ النیرة‘‘ کا حوالہ	〃
’’حاشیةُ الشلبی علٰی تبیین الحقائق‘‘ کا حوالہ	57
’’النھرُ الفائق‘‘ کا حوالہ	〃
’’غمزُ عیونِ البصائر‘‘ کا حوالہ	58
’’سعی الی الجمعة‘‘ سے بطلانِ ظہر کا مسئلہ	59
(فصل نمبر2) جمعہ کے لئے اِذنِ حاکم کی تحقیق	67
’’المحیطُ البرھانی‘‘ کا حوالہ	69
’’فتاویٰ قاضیخان و الفتاویٰ التتارخانیة‘‘ کا حوالہ	70
’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ	〃
’’بدائعُ الصنائع‘‘ کا حوالہ	75

’’البناية شرحُ الهداية‘‘ کا حوالہ	76
’’الدرُّ المختار‘‘ کا حوالہ	78
’’ردُّالمحتار‘‘ کا حوالہ	79
(فصل نمبر 3) **اِذنِ عام ومتعدد مکانات میں جمعہ کی تحقیق**	82
’’شرح مختصرُ الطحاوی‘‘ کا حوالہ	84
’’الدرُّ المختار‘‘ کا حوالہ	85
’’حاشيةُ الطحطاوی علی الدرالمختار‘‘ کا حوالہ	86
’’ردُّ المحتار‘‘ کا حوالہ	//
’’المحيطُ البرهانی‘‘ کا حوالہ	88
حنفیہ کی دیگر کتب کا حوالہ	89
’’مراقیُ الفلاح و حاشيةُ الطحطاوی‘‘ کا حوالہ	//
’’الدرُّ المختار و ردُّ المحتار‘‘ کا حوالہ	91
امدادُالفتاویٰ کا حوالہ	98
امدادُالاحکام کا حوالہ	99
امدادُالاحکام کا دوسرا حوالہ	//
امدادُالاحکام کا تیسرا حوالہ	101
امدادُالاحکام کا چوتھا حوالہ	102

	’’فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند‘‘ کا حوالہ	103
	’’فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند‘‘ کا دوسرا حوالہ	105
	’’کفایتُ المفتی‘‘ کا حوالہ	106
	’’فتاویٰ رحیمیہ‘‘ کا حوالہ	107
	’’فتاویٰ محمودیہ‘‘ کا حوالہ	108
	ایک توضیح	110
	(خاتمہ) خلاصۂ کلام	112

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

ملک میں موجودہ وبائی حالات کے پیشِ نظر، جب ایک طرح سے لاک ڈاؤن کا سماں ہے، اورلوگوں کے لیے مختلف حکومتوں کی طرف سے گھروں میں رہنےسہنے کی تلقین کی جارہی ہے، اور پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے بھی مساجد میں بڑے اجتماعات اورایک دوسرے کے ساتھ ممکنہ حدتک قربت واختلاط سے منع کردیا گیا ہے۔

ان حالات میں گھروں وغیرہ میں پنج وقتہ نمازوں کے متعلق تو اہلِ علم حضرات کی طرف سے کافی وسعت ظاہر کردی گئی تھی اور گھروں میں رہتے ہوئے پنج وقتہ نمازوں کوحسبِ موقع تنہا، یاباجماعت ادا کرنے کی گنجائش دے دی گئی تھی، احادیث اورفقہائے کرام سے بھی اس میں کافی توسع موجود ہے۔

جس کے ضمن میں جمعہ کی نمازوں کوگھروں وغیرہ میں رہتے ہوئے اداء کرنے کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔

اگر چہ فقہائے کرام اوراہلِ افتاء کی طرف سے اس سلسلہ میں بھی توسع پہلے سے موجود ہے، وہ الگ بات ہے کہ پنج وقتہ نمازوں کے مقابلہ میں جمعہ کی شرائط تھوڑی زیادہ ہیں۔

لیکن معاشرے میں اس کارواج نہ ہونے کی وجہ سے عوام میں گومگو کی کیفیت طاری تھی، جس کا حکم معلوم کرنے کے لیے بہت سے عوام نے مختلف اہلِ علم واصحابِ افتاء کی طرف رجوع کیا، جس کے بعد ہندوستان وپاکستان اوربعض دوسرے ممالک میں موجوداصحابِ علم وافتاء کے ایک بڑے طبقہ کی طرف سے کچھ تامل کے بعد متعلقہ شرائط کے ساتھ، گھروں وغیرہ میں جوازِ جمعہ کے فتاویٰ جاری کردیے گئے۔

لیکن اس دوران بعض مشاہیر اصحابِ افتاء کی جانب سے ایک ایسا حکم اس مسئلہ میں جاری کیا

گیا، جو اہلِ علم کے لیے غیر اطمینان بخش، اور اس کا انطباق فقہائے کرام کی آراء پر بظاہر مشکل تھا۔

عوام تو اتنی باریکیوں سے واقف نہیں ہوتے، اور وہ ایسے حالات میں اپنے حسبِ اعتقاد و حسبِ ظن، کسی عالم یا مفتی کی رائے معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں بھی مذکورہ بعض مشاہیر اہلِ علم حضرات کے فتوے پر ایک طبقہ نے عمل شروع کر دیا، جس کے مطابق گھروں وغیرہ میں جمعہ کا قیام درست قرار نہیں پاتا تھا، اور جمعہ کے بجائے نمازِ ظہر اداء کرنے اور اس کو بھی باجماعت اداء کرنے کے مستحب ہونے کا حکم تھا۔

لیکن علم وفقہ اور بطورِ خاص فقہ حنفی پر کسی قدر نظر رکھنے والے متعدد اہلِ علم واصحابِ افتاء حضرات کو اس رائے پر کسی طرح اطمینان حاصل نہ ہوا، اس لیے انہوں نے مذکورہ رائے کے برخلاف اپنی رائے ظاہر کرنے کا سلسلہ شروع کیا، بندہ نے بھی اس سے قبل اس موضوع پر کچھ تفصیل سے تحریر کر دیا تھا۔

اور اب ہندوستان میں موجود ایک علمی مشہور ومعروف مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' اور پاکستان کے بعض مشہور ومعروف علمی اداروں سے بھی گھروں وغیرہ میں اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ، جوازِ جمعہ کے متعلق فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، لیکن غیر مجوزین کی طرف سے تاحال اس پر کوئی وضاحت ورجوع وغیرہ سامنے نہ آسکا۔

اسی دوران مذکورہ غیر اطمینان بخش رائے کے حامل بعض اصحابِ علم کی طرف سے کچھ مزید باتیں سامنے آئیں، جن پر بندہ نے بعض باتوں کی مزید وضاحت کی ضرورت محسوس کی اور اس کو آنے والے مضمون کی شکل میں جمع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ہر قسم کی آزمائش میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔ فقط

وَاللہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان 27/ شعبان المعظم/ 1441ھ 21/ اپریل/ 2020 بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

منسلکہ تحریر اور اس پر کلام

موجودہ وباء اور اس کے نتیجہ میں جاری لاک ڈاؤن کے حالات میں فی الوقت نشر واشاعت کے دوسرے معروف ذرائع دستیاب نہیں، اس لئے بندہ نے ان حالات میں جمعہ کے دن نمازِ جمعہ اور نمازِ ظہر سے متعلق ایک مفصَّل ومدلَّل مضمون مرتَّب کر کے Whatsapp کے ذریعہ متعدد اہلِ علم واصحابِ افتاء حضرات کو ارسال کیا، جن میں بعض اہلِ علم حضرات وہ بھی تھے، جنہوں نے موجودہ حالات میں شہروں کے اندر جمعہ کے دن گھروں وغیرہ میں جمعہ کو غیر درست قرار دیا تھا، اور اس کے بجائے ظہر کی نماز اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کے مستحب ہونے کا حکم لگایا تھا۔

منسلکہ تحریر کا مضمون

اس کے اگلے ہی دن ایک معروف دینی ادارہ کے دارُالافتاء کے ساتھ منسلک ایک صاحبِ علم کی طرف سے ہمارے مذکورہ مفصَّل مضمون کے جواب میں ایک مختصر تحریر بذریعہ Whatsapp موصول ہوئی، اور اتفاق سے یہ صاحبِ علم بھی مذکورہ مؤقف اختیار کرنے والے اصحابِ علم میں شامل تھے، جو بحالاتِ موجودہ، گھروں میں جمعہ کی عدمِ صحت اور عدمِ وجوب کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ، اس کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

ہمیں موصول شُدہ مذکورہ مختصر تحریر پر یہ سُرخی قائم تھی کہ ”عدمِ وجوبِ جمعہ کی ایک دلیل“ اور اس کے ذیل میں درجِ ذیل مضمون درج تھا:

’’اگر جمعه فی البیوت کو فرض کہا جائے، تو اگر کسی گھر میں چار معذور ہوں۔

تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

اگر فرض کہا جائے، تو یہ اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ معذورین پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں۔

اور اگر غیر واجب قرار دیا جائے، تو دلیل کیا ہوگی؟ جبکہ ان لوگوں کے لیے گھر میں جمعہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے معذور، جامع مسجد میں بیٹھا ہو، ایسی صورت میں اس پر جمعہ واجب ہوتا ہے (اوراس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، لعدم العذر)

اسی طرح جس گھر میں ایک، دو، یا تین مرد ہوں، تو ان پر جمعہ فرض ہوگا یا نہیں؟

اگر نہیں ہوگا، تو کس دلیل سے؟ کیا ان پر سعی الی الجمعة واجب نہیں؟

جبکہ ان کے گھر کے سامنے والے گھر میں لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں؟

اور اگر سعی الی الجمعة واجب ہو، اور قریب میں پانچ افراد مکمل ہوں، اور مزید افراد کو منع کریں، حکومت کی پابندی کی وجہ سے، تو ان افراد پر اگلے گھر میں جانا ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا؟

اور کتنے گھروں تک جانا ضروری ہوگا؟

اگر اپنے محلے میں کسی نے نہیں چھوڑا، تو دوسرے محلے میں جانا ضروری ہوگا، یا نہیں ہوگا؟ وهلم جرا۔

مذکورہ موصول شدہ مختصر تحریر میں پہلے بین القوسین یہ جملہ درج نہیں تھا (اوراس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، لعدم العذر)

جس پر صاحبِ تحریرِ مذکور سے یہ استفسار کیا گیا کہ:

''مسجد میں معذور موجود ہو، تو اس پر جمعہ واجب ہے، اس کا حوالہ درکار ہے؟''

جس کا اُن صاحبِ علم نے یہ مختصر جواب ارسال فرمایا کہ:

''اس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، **لعدم العذر**''

اور ہم نے مضمون میں تسلسل کے لئے اس جملہ کو بھی مذکورہ تحریر میں متعلقہ جگہ نقل کر دیا، اور اس کو ممتاز کرنے کے لئے قوسین کا اضافہ کر دیا، تاکہ کسی قسم کا التباس واشتباہ، یا علمی خیانت کا شبہ وشائبہ نہ رہے۔

مذکورہ مختصر تحریر کے متعلق کچھ کلام کرنے سے پہلے اپنے ذہن میں پیدا شُدہ ایک تأثر کا بلاتکلُّف اظہار ضروری معلوم ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عرصے سے علمی دنیا میں عموماً کچھ اس قسم کا ذوق بن گیا ہے کہ علمی، فقہی وتحقیقی کاموں میں، دلائل کے مقابلہ میں اپنے پہلے سے اختیار کردہ موقف، یا اپنے مخصوص معتقَد ومعتمَد علیہ سرپرستوں، یا بزرگوں، یا ایسی شخصیات کے اختیار کردہ موقف کی طرف زیادہ رُجحان ومیلان ہوتا ہے، جن کی عقیدت کا دل ودماغ پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے، یا ان کی عقیدت ومحبت دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے، خواہ وہ موقف، دلائل کی رُو سے کمزور تر ہی کیوں نہ ہو۔

اور ایسی صورت میں دوسرے کی رائے اور اس کی تحقیق کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

اور بعض معروف اداروں کے ساتھ وابستہ اور منسلک اصحابِ علم کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ ان کے یہاں اپنے مقابلہ میں دوسرے غیر معروف وغیر مشہور اداروں، یا افراد کی علمی، فقہی اور تحقیقی رائے کو قابلِ اعتناء وقابلِ ملاحظہ تک بھی نہیں سمجھا جاتا، بالخصوص جبکہ اُن کے مقابلہ میں، دوسرا اصاغر کی فہرست میں بھی داخل ہو، اگرچہ اُس دوسرے کی رائے نصوص اور فقہائے کرام کی تصریحات سے مبرھَن کیوں نہ ہو۔

حالانکہ اس مزاج کی نہ تو شریعت کی طرف سے تحسین ثابت ہوتی، اور نہ ہی یہ ذوق سلف کے طرزِ عمل سے مَیل کھاتا۔

اس راہِ عمل کے نتیجہ میں بسا اوقات مشہور ومعروف اداروں اور ان سے وابستہ اور منسلک شخصیات وافراد کی اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ اور غیر محققانہ آراء اور طرزِ عمل سے، سنجیدہ علمی طبقہ کے دل ودماغ پر کوئی اچھا تأثر قائم نہیں ہوتا۔

چنانچہ مذکورہ صاحبِ علم نے ہمارے مفصَّل ومدلَّل مضمون کے جواب میں جو ایک مختصر، مبہَم اور غیر مدلَّل تحریر ارسال کی، اُس کے مؤثر جوابات ہمارے مضمون، یا اُس میں مذکور عباراتِ فقہاء سے بصراحت یا بدلالت واضح ہیں، مگر منسلکہ تحریر میں ان کے ذکر، اور ان سے تعرض تک کی بھی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے علاوہ ان ہی مذکورہ صاحبِ علم کی خدمت میں، بلکہ ان کی خواہش پر اس سے قبل بھی زیرِ بحث مسئلہ پر فقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں ہم نے بعض تحریرات ارسال کی تھیں، جن میں ان کی موجودہ تحریر میں اُٹھائے گئے، بعض سوالات کے واضح جوابات پر بھی کلام کیا گیا تھا۔

ان کے متعلق بھی تا حال مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے کوئی گفت وشنید سامنے نہیں آسکی۔

اس طرزِ عمل سے محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے ہمارے مرتَّب کردہ کسی مضمون، یا رائے کو اس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ اُس کو ملاحظہ کیا جائے، یا اُس میں مذکور فقہائے کرام کی تصریحات پر ہی ایک نظر ڈال لی جائے، اور بار بار کے تجربہ ومشاہدہ سے اب یہی رجحان ہونے لگا ہے کہ شاید آئندہ بھی اس روِش میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہ آئے۔

اور ہم نے اپنے مضمون میں جو مفصل کلام کیا ہے، وہ دیگر اہلِ علم حضرات کے مضمون اور اس کے ایک ایک جملہ کو بغور اور بار بار ملاحظہ کرنے کے بعد کیا ہے۔

جس کو ہم اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں، کوئی دوسرا سمجھے، یا نہ سمجھے۔

مسئلہ کیونکہ دینی وعلمی ہے، کوئی ذاتی اختلافات پر مبنی نہیں ہے، اس لئے اس قسم کے مسائل میں ہر صاحبِ علم اپنے طرزِ عمل کا عنداللہ بھی جواب دہ ہے۔

اس لئے ہر صاحبُ الرائے کے ذہن میں یہ احساسِ ذمہ داری موجود ہونا بھی ضروری ہے۔
اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ہم اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے مذکورہ تحریر کے متعلق کلام کررہے ہیں۔
اوراگر مذکورہ صاحبِ علم ہماری ان معروضات پر غور نہیں فرمائیں گے، تو آخر دنیا میں اور بھی تو کچھ ایسے اصحابِ علم اور اصحابِ فقہ ضرور ہوں گے، جن تک یہ تحریر پہنچ سکتی ہے، اور وہ اس کو ملاحظہ اور غور فرما کر، اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں، یا دونوں قسم کی آراء میں تقابل کرکے راجح، مرجوح کا فرق کرسکتے ہیں، اور اس طرح ایک دینی اور اہم مسئلہ میں کوئی مناسب راہِ عمل نکال سکتے ہیں۔
خلقِ الٰہی میں اس طرح کے بندوں کا فی الجملہ تا قیامت موجود رہنا، ناممکنات میں سے نہیں ہے، اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوں، یا زیادہ مقدار میں، اور اُن بندوں سے ہمارا تعارف ہو، یا نہ ہو، یا وہ ہمارے علم میں ہوں، یا نہ ہوں، اور اب نہ سہی، تو آئندہ کے لئے بھی اس طرح کی تحریرات غور وفکر کرنے والوں کے لئے مفید ہوسکتی ہیں، بالخصوص جبکہ کسی وقت اس طرح کے مسئلہ کی ضرورت بھی پیش آجائے۔

منسلکہ تحریر کے مندرجات

اس کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ مختصر ومجمل، اور مبہم تحریر میں مندرجہ ذیل باتیں نمبروار قابلِ غور ہیں:

(1)......عدمِ وجوبِ جمعہ کی دلیل۔

(2)......اگر جمعہ فی البیوت کو فرض کہا جائے، تو اگر کسی گھر میں چار معذور ہوں۔
تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

(3)......اگر فرض کہا جائے، تو یہ اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ معذورین پر بالاتفاق جمعہ

واجب نہیں۔

(4)......اور اگر غیر واجب قرار دیا جائے، تو دلیل کیا ہوگی؟ جبکہ ان لوگوں کے لیے گھر میں جمعہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

(5)......تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے معذور جامع مسجد میں بیٹھا ہو، ایسی صورت میں اس پر جمعہ واجب ہوتا ہے (اور اس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، لعدم العذر)

(6)......اسی طرح جس گھر میں ایک، دو، یا تین مرد ہوں، تو ان پر جمعہ فرض ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگا، تو کس دلیل سے؟ کیا ان پر سعی الی الجمعة واجب نہیں؟

(7)...... جبکہ ان کے گھر کے سامنے والے گھر میں لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں؟

(8)......اور اگر سعی الی الجمعة واجب ہو، اور قریب میں پانچ افراد مکمل ہوں، اور مزید افراد کو منع کریں، حکومت کی پابندی کی وجہ سے، تو ان افراد پر اگلے گھر میں جانا ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا؟

(9)......اور کتنے گھروں تک جانا ضروری ہوگا؟

(10)...... اگر اپنے محلے میں کسی نے نہیں چھوڑا، تو دوسرے محلے میں جانا ضروری ہوگا، یا نہیں ہوگا؟

(11)......وھلم جرا۔

(انتھٰی کلام صاحب العلم المذکور)

منسلکہ تحریر کے مندرجات پر کلام

منسلکہ تحریر کے مندرجاتِ مذکورہ کے متعلق بالترتیب چند معروضات پیشِ خدمت ہیں، جن میں اگرچہ کچھ الزامی نوعیت کا عنصر بھی شامل ہے، لیکن اس سے مقصود بھی، ان امور کی تنقیح وتفہیم ہی ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر میں مذکورہ بعض اہم نکات پر ان شاء اللہ، بعد میں باحوالہ کلام کیا جائے گا۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 1 کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو اپنا دعویٰ پیش کرنا ضروری تھا کہ وہ جمعہ کے دن شہر میں موجود لوگوں پر جمعہ، فرض سمجھتے ہیں یا نہیں، اور سمجھتے ہیں، تو کن لوگوں پر، اور کن شرائط کے ساتھ، اور نہیں سمجھتے، تو کن لوگوں پر، اور کن شرائط کے ساتھ؟

اس طرح سے مبہم اور گول مول دعویٰ کرنے سے ایک دینی اور اہم مسئلہ کی تنقیح وتفہیم، کیونکر ممکن ہوگی؟

ثانیاً آگے انہوں نے اپنی تحریر میں صرف الزامی نوعیت کے کچھ سوالات قائم کر دیئے ہیں، جن میں نہ کوئی واضح دعویٰ ہے، نہ ہی کوئی مستند فقہی دلیل۔

ثالثاً مذکورہ صاحبِ علم کا پہلے بنیادی موقف یہ تھا کہ گھروں میں جمعہ صحیح نہیں، اور وہ اس کے بجائے علی الاطلاق لوگوں پر نمازِ ظہر کو فرض اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کو مستحب قرار دیتے تھے، اور ان کی طرف سے تاحال، اس کے متعلق کوئی دوسری رائے سامنے نہیں آسکی۔

اس سے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا اب بھی یہی موقف ہوگا، بالخصوص جبکہ انہوں نے خود ہی اپنے منسلکہ مختصر مضمون میں یہ سرخی بھی قائم کر دی ہے کہ ''عدمِ وجوب جمعہ کی ایک دلیل''۔

رابعاً یہ بات ظاہر ہے کہ جس بات کو مذکورہ صاحبِ علم دلیل قرار دے رہے ہیں، اس کا دعوے سے الگ ہونا ضروری ہے، کیونکہ دلیل دراصل دعوے پر ہی قائم ہوا کرتی ہے۔

اور اسی لیے دلیل کا دعوے کے اثبات کے طور پر مؤثر ہونا ضروری ہوا کرتا ہے، نہ یہ کہ جو

دعویٰ کیا جائے، اسی کو دلیل بھی سمجھ لیا جائے، یا دعوے کے اجزاء، یا الفاظ کی ہیر پھیر کو دلیل قرار دے دیا جائے۔

مسلکہ تحریر کے نمبر 2 کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو ہم نے **جمعہ فی البیوت** کو فرض قرار ہی نہیں دیا، بلکہ ہم تو فقہائے کرام کی تصریحات کے پیشِ نظر یہ قرار دینے پر مجبور ہوئے کہ جہاں اور جن لوگوں میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، اُن کا نمازِ جمعہ صحیح بھی ہے، اور اُن پر نمازِ جمعہ واجب بھی ہے، ہمارا یہ دعویٰ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اور ان کے بیان فرمودہ دلائل سے مبرہن ہے۔

ہم نے ان واقعی اور حقیقی درجہ میں معذور افراد پر ہرگز ہرگز جمعہ کو واجب قرار نہیں دیا، جن کے معذور ہونے کی فقہائے کرام نے تصریح وتعیین فرمادی ہے۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں میں، جمعہ کے دن، صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں گی، ان کو اس حیثیت سے معذور قرار دینا ممکن ہی نہ ہوگا۔

البتہ اگر مذکورہ صاحبِ علم، معذور پر جمعہ کو فرض سمجھتے ہوں، یا گھروں میں موجود، عاقل، بالغ، آزاد، مرد، مقیم افراد پر، جن میں جمعہ منعقد کرنے کا کامل نصاب بھی موجود ہو، معذور سمجھ کر جمعہ فرض نہ سمجھتے ہوں، تو یہ سوال خود انہی پر عائد ہوگا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

ثانیاً کیا مسجد کے علاوہ شہر میں تمام جگہیں **بیوت** کہلاتی ہیں؟

اور کیا جمعہ کے وقت مسجد کے علاوہ شہر کے تمام لوگ **بیـــوت** میں موجود ہوتے ہیں؟ اور کیا مسجد وغیر مسجد اور بیوت وغیر بیوت کے اعتبار سے شہر میں موجود لوگوں کے لیے، جمعہ صحیح یا واجب ہونے کے اعتبار سے شریعت نے کوئی فرق کیا ہے؟ اور ان کے لیے الگ الگ حکم صادر کیا ہے؟ مثلاً ایک عاقل، بالغ، آزاد، صحت منداور مقیم شخص مسجد میں ہے، دوسرا شخص جامع مسجد میں ہے، تیسرا شخص گھر میں ہے، چوتھا شخص گلی میں ہے، پانچواں شخص دوکان میں ہے، چھٹا شخص دفتر میں ہے؟ کیا یہ سب افراد ''بیوت'' میں کہلائیں گے؟

اور کیا صرف اور محض ان مقامات کے فرق کی وجہ سے ان پر جمعہ کے وجوب وعدمِ وجوب کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا؟ اگر ہوگا، تو کس بنیاد پر ہوگا؟ اس کی بحوالۂ فقہاء وضاحت ضروری ہے۔

اور ہم مذکورہ صاحبِ علم کے محض دعویٰ کر دینے کو اپنے اوپر حجت نہیں سمجھتے۔

صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط میں، ہم بیوت کے متعلق پہلی مفصَّل تحریر میں ہی متعدد تنقیحات طلب کر چکے ہیں، جو مذکورہ صاحبِ علم کے ذمہ قرض ہیں، اگر پہلے اُن تنقیحات کے جوابات کی ادائیگی کا انتظام ہو جاتا، تو شاید مسئلہ اب تک منقح بھی ہو چکا ہوتا۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 3 کے متعلق عرض ہے کہ ہم چونکہ معذور پر جمعہ کو فرض ہی نہیں سمجھتے، جیسا کہ پہلے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر صاف صاف گزرا، پھر اجماع کے خلاف ہونے کا سوال ہم پر کیسے عائد ہو سکتا ہے۔

البتہ اگر مذکورہ صاحبِ علم، معذور پر جمعہ کو فرض سمجھتے ہوں، تو اُن کا یہ موقف ہی دراصل اجماع کے خلاف کہلائے گا، اور پھر اُن ہی کو اس اجماع کے خلاف دلیل کا پیش کرنا اور اجماع کی خلاف ورزی کا جواز پیش کرنا ضروری ہوگا۔

اور یہ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ محض دعویٰ کر دینا، خواہ وہ کتنا پُرزور انداز میں کیوں نہ ہو، وہ ہم پر حجت نہیں، اور ہم پر تو کیا، دنیا کے کسی قانون میں بھی محض دعوے کو حجت نہیں سمجھا جاتا، اِلَّا یہ کہ کسی پر دوسرے کی تقلیدِ محض کو کسی دوسری جہت سے واجب قرار دے دیا جائے، اس میں بھی دراصل پیچھے دلیل ہی مؤثر ہوتی ہے، جس پر اعتماد کی وجہ سے اس کے دعوے کو قبول کر لیا جاتا ہے، مگر یہاں تو معاملہ اس طرح کا نہیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 4 کے متعلق عرض ہے کہ ہم نمبر ایک اور دو میں یہ واضح کر چکے کہ واقعی معذور پر جمعہ فرض نہیں۔

مذکورہ صاحبِ علم کا کیا موقف ہے؟ اس کو واضح کرنا، اُن کی ذمہ داری ہے۔

www.idaraghufran.org

کیا ہر سوال کے جواب کی ذمہ داری دوسرے پر ہی عائد ہوتی ہے، سوال کرنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، جبکہ وہ اصحابِ علم اور اصحابِ افتاء کے قبیل سے بھی تعلق رکھتا ہو، اور پہلے سے ایک خاص موقف بھی رکھتا ہو، اور وہ پہلے سے ہی دوسرے کے متعدّد سوالات کا مقروض بھی ہو۔

اپنے فرض کو ادا کرنے سے پہلے دوسرے سے مزید سوال کا مطالبہ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟
پھر اپنے مقصد کی بات کا جواب دے دینا، اور اپنے مقصد کے خلاف باتوں اور سوالوں سے سکوت اختیار کر لینا، جبکہ مسئلہ بھی دین کے اعتبار سے نہایت اہمیت اور وسعت کا حامل ہو، اور ان پر کلام کے بغیر، مسئلہ کی تنقیح بھی نہ ہوتی ہو، اس کا اصولِ افتاء میں کیا مقام ہے؟

اور اگر پھر بھی مذکورہ صاحبِ علم کو ہماری طرف سے جواب کا مطالبہ ہو، تو ہم اس سلسلہ میں اپنا موقف صاف طور پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ افراد جمعہ کی ادائیگی سے واقعتاً معذور ہوں، یعنی ان میں فقہائے مجتہدین کی بیان فرمودہ تفصیل کے مطابق، وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں، تو اُن پر ہرگز جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا۔

لیکن اس کے باوجود اگر اُن میں فقہائے کرام کی بیان فرمودہ تفصیل کے مطابق، صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، اور وہ جمعہ ادا کر لیں، تو اُن کا جمعہ اور فریضۂ وقت بہر حال اداء ہو جائے گا۔

اب مذکورہ صاحبِ علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان کو ہمارے اس اصولی موقف سے اتفاق ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، اور اختلاف ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، اور اگر کچھ اختلاف ہو، اور کچھ اتفاق ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، تاکہ بات آگے بڑھے، ایک دینی اور اہم مسئلے کی ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس پر اپنا واضح موقف بیان کریں، اور ''نشستن، گفتن، برخواستن'' والے طرزِ عمل سے اجتناب فرمائیں، تاکہ امتِ مسلمہ کی ایک ہمہ جہتی اور اہم ترین دینی مسئلہ کے متعلق صحیح رہنمائی کی راہیں کھل سکیں، اور اگر مذکورہ صاحبِ علم کو اپنی پہلی رائے میں کوئی سقم اور کمزوری محسوس ہو، تو جن لوگوں تک ان کی پہلی رائے پہنچی، ان تک اس

جدید رائے پہنچانے میں بھی کوتاہی اور سستی سے کام نہ لیں، جس کی ذمہ داری اور اس کے دلائل سے شاید وہ خود بھی اچھی طرح واقف ہوں گے۔

جہاں تک معذور پر، جمعہ واجب نہ ہونے کی دلیل کا تعلق ہے، تو اُن کا معذور ہونا ہی خود، اُن پر جمعہ واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ نصوص کے پیشِ نظر جمعہ سے معذورین کی فہرست میں فقہائے کرام نے ایک تو مسافر کو، دوسرے غلام کو، تیسرے عورت کو، چوتھے مریض کو شامل کیا ہے۔ [۱]

اور مریض سے ایسا مریض مراد ہے، جو اپنے مرض کی وجہ سے جمعہ کی سعی یعنی ادائیگیِ جمعہ کے اسباب پر قادر نہ ہو، یا اس کو سخت تکلیف ومشقت پیش آتی ہو، یا بیماری میں اضافہ ہوتا ہو، یا بیماری کے دیر سے ٹھیک ہونے کا ظن ہو، فقہائے کرام کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق۔ [۲]

---

[۱] المعذور نحو العبد والمسافر والمريض (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲، ص۸۸، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

المعذور نحو المريض والمسافر والعبد (تحفة الفقهاء، ج۱، ص۱۶۱، باب صلاة الجمعة)

والمعذور مثل المسافر والعبد والمريض والمرأة (البناية شرح الهداية، ج۳، ص۷۳، باب صلاة الجمعة)

[۲] قوله" :خرج به المريض "أى الذى لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو بطء برئه بسبب جلي وألحق بالمريض الممرض إن بقى المريض ضائعا بخروجه على الأصح جوهرة قوله" :لما روينا "أى من قوله صلى الله عليه وسلم" :الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلا أربعة "الخ وعد منهم المريض .

قوله" :فلا تجب على من اختفى من ظالم "أفاد التعبير بظالم لم أنه مظلوم فإن كان اختفاؤه لجناية منه توجب حدا مثلا لا يسقط عنه الوجوب .

قوله" :المفلس "بالتخفيف الذى لا دينار له ولا درهم والمراد به هنا من لا يقدر على وفاء دينه

قوله" :كما جاز له التيمم "أى فيجوز له ترك الجمعة كما جاز له التيمم.

قوله" :فلا تجب على الأعمى عند أبى حنيفة "لا فرق بين أن يجد فائدا أو لا سواء كان القائد متبرعا أو بأجر وله ما يستأجر به أو كان مملوكا ذكره السيد .

قال فى البحر ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى يصلى فيه الجمعة هل تجب عليه لعدم الحرج اهـ.

وتجب على الأعور لعدم الحرج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اوران افراد پر جمعہ واجب نہ ہونے کا ثبوت صریح احادیث سے بھی ملتا ہے، جیسا کہ آگے ''سعی الی الجمعة'' کے بیان میں آتا ہے۔

لہٰذا اگر گھر میں موجودہ افراد صرف چار عورتیں ہوں، تو اُن پر جمعہ واجب نہ ہونا، بالکل واضح ہے، یہاں تک کہ اگر وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب اور متصل، یا اس کے اندر ہی کیوں نہ موجود ہوں، اور شوہر بھی جمعہ میں شریک ہونے کی اجازت دے دے، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں، تاآنکہ وہ خود جمعہ میں عملی طور پر شرکت نہ کریں۔

اوراگر وہ چاروں افراد، مسافر ہوں، تب بھی اُن پر حسبِ تفصیلِ مذکور جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب، یا اس کے اندر ہی کیوں نہ موجود ہوں، بہرحال ان پر جمعہ واجب نہیں۔

اوراگر وہ افراد، غلام ہوں، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب، یا اس کے اندر، کیوں نہ موجود ہوں، یہاں تک کہ اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ کی اجازت دے دے، تب بھی عندالحنفیہ راجح یہ ہے کہ اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

اوراگر ایسے مریض ہوں کہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے شرائطِ صحت کے ساتھ جمعہ قائم کرنے سے معذور ہوں، تو اُن پر بھی جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ مذکورہ کیفیت کے ساتھ جمعہ کے وقت، جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے قریب کیوں نہ موجود ہوں۔

چنانچہ اگر وہ ایسے مریض ہوں کہ نہ تو جمعہ میں شرکت کرسکتے ہوں، اور نہ ہی وہ خود بشرائطِ صحت، جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یا غیر معمولی مشقت لاحق ہوتی ہو، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قوله" :وهى مسئلة القادر بقدرة الغير "قد تقدم أن المصحح فيها قولهما .

قوله" :فلا تجب على المقعد "ومثله مقطوع الرجلين وفى الكلام إشارة إلى أنها تجب على مفلوج إحدى الرجلين أو مقطوعها إذا كان يمكنه المشى بلا مشقة وإلا فلا أشار إليه القهستانى وبهذا يحصل الجمع بين ما فى البحر من الوجوب وما فى الشمنى من عمده أفاده بعض الأفاضل(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٠٦،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

اوراگر وہ ایسے مریض ہوں کہ غیر معمولی مشقت کے بغیر دوسری جگہ جمعہ میں شرکت کرسکتے ہوں، یا اس تفصیل کے مطابق بشرائطِ صحتِ جمعہ، خود جمعہ قائم کرنے پر قادر ہوں، تو وہ مریض ہونے کی حیثیت سے معذورین کی فہرست میں داخل ہی نہیں، ان کو معذور سمجھنا ہی دراصل غلط فہمی پر مبنی ہے۔

شاید معاشرے میں اس طرح کے لوگوں کے جمعہ قائم کرنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کو معذور سمجھنے کی غلط فہمی ہوگئی ہو، لیکن عوام کی طرف سے یہ رواج تو کوئی شرعی دلیل اور حجت نہیں۔

ایسی صورت میں شرعی وفقہی دلیل ہی حجت شمار ہوگی، نہ کہ عوام کا کوئی طرزِ عمل، جس کی شرعی وفقہی دلیل سے تائید نہ ہوتی ہو۔

البتہ اگر معذورین بتکلف، خود سے جمعہ قائم کریں، یا جمعہ میں شریک ہوں، تو ان کا نمازِ جمعہ بہرحال ادا ہوجاتا ہے ''الا ان یکون النساء محضا''

اور بعض صورتوں میں حکمِ حاکم یا قانونی مجبوری بھی ایک عذر بن سکتی ہے، ایسی صورت میں حکمِ حاکم، یا قانونی نوعیت کا جائزہ لے کر ہی حکم کی تعیین کی جائے گی، جس کی تفصیل آگے اذنِ حاکم کے بیان میں باحوالہ آتی ہے۔

ممکن ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں کسی جگہ موجود ایسے چند مریضوں کے متعلق یہ سوال ہو رہا ہو کہ ان کو اپنی جگہ سے چل کر اور مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنے کی تو قدرت نہ ہو، لیکن وہ عاقل، بالغ، آزاد اور کم از کم چار مقیم مرد ہوں، اور وہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے جمعہ ادا کرنے پر قادر ہوں۔

اور ان کے متعلق یہ شبہ ہو کہ ایسی صورت میں اگر ان پر جمعہ کو واجب کہا جائے گا، تو اس سے ان پر حرج کا پیدا کرنا لازم آئے گا۔

لیکن ہمیں الحمدللہ تعالیٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس طرح کے مریض ایک دوسرے سے الگ ہوں اور ان کا غیر معمولی مشقت کے بغیر جمعہ کے لیے صحتِ اقتداء کی شرائط کے ساتھ

جمع ہونا مشکل ہو، تو ان پر جمعہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق جمعہ کے لیے ہر شخص دوسرے تین اشخاص کا محتاج ہوتا ہے، لیکن اگر بالفرض کسی جگہ اس طرح کے کم از کم چار افراد ہوں، اور وہ اپنے مقام پر شہر کی حدود میں موجود ہوتے ہوئے جمعہ قائم کرنے پر قادر ہوں، تو ان پر بہرحال اصلاً جمعہ کی نماز ہی واجب ہے، اس کے باوجود اگر انہوں نے ظہر پڑھ لی، تو بھی ''عندالحنفیة'' ان کا فریضۂ وقت ادا ہوجائے گا۔

اور ان پر جمعہ واجب کرنے میں کوئی غیر معمولی اضافی بوجھ ڈالنا بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ اگر جمعہ کو واجب نہ کہا جائے، جس کی صرف دو رکعتیں ہیں، تب بھی ان پر ظہر کی چار رکعتیں پھر بھی فرض ہیں، وہ بہرحال ان کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے پڑھنی ہی پڑھنی ہیں۔

اب اگر ان پر ان چار رکعتوں کے بجائے، وہیں رہتے ہوئے جمعہ کی دو رکعتوں کو واجب قرار دیا جائے، اور خطبہ صرف ایک ہی شخص کو پڑھنے کا حکم ہے، وہ بھی مختصر اور انتہائی مختصر کافی ہے، باقی افراد کو تو سننا ہی کافی ہے، تو بتلایئے کہ اس میں ان پر کون سا غیر معمولی اضافی بوجھ پڑ گیا کہ اس میں پریشانی کی بات ہو۔

اور اگر ان کو بشرائطِ صحتِ اقتداء جمع ہوکر، باجماعت نماز ادا کرنے، یا کسی کو بھی خطبہ پڑھنے، یا جہر کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو، یا کسی دوسری ایسی چیز پر قدرت حاصل نہ ہو، جو جمعہ کے لیے ضروری ہے، تو ان پر جمعہ پھر بھی واجب نہ ہوگا، اور اگر قدرت ہو، تو جمعہ سے کوئی مانع نہ ہوگا۔

بتلایئے اس میں کون سی خرابی یا مفسدہ لازم آ گیا، جو اِس ایک فرضی صورت اور فرضی بوجھ کا شوشہ چھیڑ کر دنیا بھر کے ہزاروں، بلکہ لاکھوں، کروڑوں صحت مند افراد سے بھی جمعہ کے فریضے کو ساقط، بلکہ غیر صحیح قرار دیئے جانے کی جدوجہد کی جائے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 5 کے متعلق عرض ہے کہ یہ مثال، مذکورہ صاحبِ علم کی پیش کردہ ہے، اور اس پر جمعہ کے واجب ہونے کو انہوں نے بدیہی قرار دیا ہے، اور اس کی علت **لعدم العذر** قرار دی ہے۔

حالانکہ **لعدم العذر** کا مطلب یہ ہے کہ وہ معذور نہیں، جبکہ یہ صاحبِ علم اُس کو معذور بھی کہہ رہے ہیں، اور معلوم کرنے کے باوجود یہ بھی وضاحت فرمانے کی زحمت نہیں کررہے، کہ اس معذور سے کون سے معذور مراد ہیں؟

جبکہ ہم معذور کے بارے میں اس سے پہلے نمبر میں واضح کر چکے ہیں، اور اس کے متعلق صریح احادیث کا حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں، جس سے واضح ہو چکا کہ معذور کئی قسم کے ہوتے ہیں، اور جب تک کوئی معذور کی صفت کے ساتھ متصف ہو، اس پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہو، الّا یہ کہ کسی خاص جگہ موجود ہونے کی وجہ سے اس کی یہ صفت زائل ہوجائے، یا وہ خود جمعہ میں عملاً شریک ہوجائے۔

فقہائے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ اگر جمعہ قائم ہونے والی جگہ کوئی معذور موجود ہو، یعنی ایسا معذور جس میں اس وقت اور اس جگہ بھی، جمعہ سے معذور ہونے کا عذر پایا جاتا ہو، تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ اس وقت قیامِ جمعہ سے معذور ہونے کی صفت کے ساتھ متصف ہی نہیں، تو اس کو معذور سمجھنا ہی غلط ہے، جیسا کہ گزشتہ نمبر میں ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں، اور اس سلسلے میں فقہی حوالہ جات آگے ''سعی الی الجمعۃ اور معذور کی تحقیق'' کے ذیل میں آتے ہیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 6 کے متعلق عرض ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم چونکہ خود مخصوص حالاتِ حاضرہ میں، گھروں میں موجود، تین، بلکہ اس سے بھی زیادہ عاقل، بالغ صحت مند مرد افراد سے جمعہ کو ساقط اور اُن کے گھروں میں جمعہ کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ تین مرد مکلّف بالجمعۃ افراد سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

اور ہماری معلومات کے مطابق انہوں نے اب تک اپنے سابق موقف کو تبدیل، یا اس سے رجوع نہیں فرمایا، اس لئے یہ سوال مزید اضافہ کے ساتھ انہی پر عائد ہوتا ہے کہ جس گھر میں تین، یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، صحت مند مرد افراد ہوں، اُن پر جمعہ کس دلیل

سے فرض نہیں؟

اوران پر ''**سعی الی الجمعة**'' کس وجہ سے واجب نہیں؟

ہم اپنی سابق تحریر میں مذکورہ صاحبِ علم اوران کے رفقائے کاراورمعاونین سے، اس طرح کے کئی سوالات بار بار کرچکے ہیں، جس کا جواب تاحال دیانتاً ان کے ذمہ ہے۔

اورہم اس سلسلہ میں اُصولی موقف یہ رکھتے ہیں کہ جس جگہ چار عاقل، بالغ، مرد بھی موجود نہ ہوں، اوراتنے افراد کا جمع ہونا مشکل ہو، خواہ قانونی مجبوری کی وجہ سے کیوں نہ ہو، تو اُن پر جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ آگے اذنِ حاکم کے بیان میں باحوالہ ذکرآتا ہے۔

اورجب ان پر مذکورہ صورت میں جمعہ واجب نہیں، تو ان پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں، کیونکہ سعی، دراصل جمعہ کے لیے ہی واجب ہے، اور جس پر جمعہ واجب نہ ہو، اس پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ آگے ''**سعی الی الجمعة**'' کے بیان میں ذکرآتا ہے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 7 کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات میں قانونی اعذار اور قانون کی نوعیت کو سامنے رکھے بغیر سب کے لیے کوئی متعین اور یکساں حکم لگانا مشکل ہے، اگراُن کو دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر جمعہ پڑھنے میں کوئی عذر نہ ہو، اوراُن میں جمعہ واجب ہونے کی متعلقہ شرائط بھی پائی جاتی ہوں، تو اُن پر جمعہ پڑھنا واجب ہوگا۔

لیکن جس طرح اُن کو قانون کی خلاف ورزی اوراس پر مرتب ہونے والے نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہوگی، اسی طرح انہیں دوسرے لوگوں کے مملوکہ گھروں میں داخل ہونے کے لئے اُن کی بطیبِ خاطر اجازت لینے کی بھی ضرورت ہوگی، جہاں داخل ہونے کے لیے نصوص کی رُو سے اجازت ضروری ہے۔ [1]

---

[1] وإن كان البيت غير بيته، وأراد الدخول إليه، فعليه الاستئذان، ولا يحل له الدخول قبل الإذن بالاتفاق، سواء أكان باب البيت مفتوحا أو مغلقا . وسواء أكان فيه ساكن أم لم يكن، لقوله تعالى : (يا أيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا) ولأن للبيوت حرمتها فلا يجوز أن تنتهك هذه الحرمة؛ ولأن الاستئذان ليس للسكان أنفسهم خاصة، بل لأنفسهم ولأموالهم؛ لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا . ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورة النور، رقم الآية ٢٧)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت داخل ہو، تم اپنے گھر کے علاوہ کسی کے (بھی) گھر میں، یہاں تک کہ (اہلِ خانہ سے) اجازت طلب نہ کرلو تم، اور سلام نہ کرلو تم، یہ بہتر ہے تمہارے لیے تاکہ تم نصیحت پکڑو (سورہ نور)

اور اگر قانون وغیرہ کی بھی خلاف ورزی لازم نہ آئے، اور کوئی دوسرا معقول عذر بھی نہ ہو، اور دوسرے گھر کے لوگ انہیں اپنے یہاں جمعہ میں شامل ہونے کی بخوشی اجازت دے دیں، تو ایسی صورت میں ''میاں بیوی راضی، کیا کرے گا ملا قاضی'' اور ''جس کا کام، اُسی کو ساجھے'' والی مثال ہی صادق آئے گی۔

اس میں نہ مذکورہ صاحبِ علم کو اعتراض اور دفعِ دخلِ مقدر کا حق ہوگا، اور نہ ہمیں کوئی اختلاف کرنے اور روڑا اٹکانے کی گنجائش ہوگی۔

اور بحالاتِ موجودہ، اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہی ہوگی، جیسا کہ کسی کے گھر میں دو، یا تین عاقل، بالغ، آزاد اور مقیم مرد موجود ہوں، اور ان کے گھر کے سامنے مسجد میں کچھ لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں، لیکن ان کو مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنے کی قانون وغیرہ کی رُو سے، اجازت نہ ہو، تو اب ان افراد کا، مذکورہ صاحبِ علم کے نزدیک کیا حکم ہوگا؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الإنسان كما يتخذ البيت سترا لنفسه، يتخذه سترا لأمواله، وكما يكره اطلاع الغير على نفسه، يكره اطلاعه على أمواله .

ويفرق الشافعية، في حالة كون بيت ذلك الغير هو بيت أحد محارمه، بين ما إذا كان الباب مغلقا أو مفتوحا، فيقولون:

إن كان الباب مغلقا فإنه لا يدخل إلا بعد استئذان وإذن، أما إن كان مفتوحا فوجهان، والأوجه الاستئذان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣،ص ١٤٧ ،مادة''استئذان'')

www.idaraghufran.org

ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس کا شافی جواب دینے کی ضرور کوشش کریں گے، جنہوں نے تمام مساجد کو تو اپنی تحریر میں مثال سے نظر انداز کر دیا، اور مثال کے لیے مساجد کے بجائے، لوگوں کے مملوکہ گھروں کا ہی انتخاب کیا، جہاں مسجد کی طرح عادتاً ومعاشرتاً داخلہ کا اذنِ عام بھی نہیں ہوتا، اور لوگوں کے گھر، مسجد کی طرح عامۃ المسلمین کی نمازوں کے لیے وقف بھی نہیں ہوتے، بلکہ لوگوں کے مملوک ہوتے ہیں، جب کہ مسجدیت کے لیے عام ضابطہ وقاعدہ کی رو سے مخلوق کی ملکیت کا معدوم ہونا شرط ہے، پس جب کوئی قانون، مسجد میں داخلہ کے لیے عذر ہوسکتا ہے، تو وہ گھر میں داخلہ کے لیے کیسے بدرجۂ اولیٰ عذر نہ ہوگا۔ [1]

---

[1] وفی القهستانی ولا بد من إفرازه أی تمییزه عن ملکه من جمیع الوجوه فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیت أو بالعکس لا یزول ملکه لتعلق حق العبد به کما فی الکافی .

(تنبیه)ذکر فی البحر أن مفاد کلام الحاوی اشتراط کون أرض المسجد ملکا للبانی اهـ لکن ذکر الطرسوسی جوازه علی الأرض المستأجرة أخذا من جواز وقف البناء ، کما سنذکره هناک، وسئل فی الخیریة عمن جعل بیت شعر مسجدا فأفتی بأنه لا یصح(رد المحتار علی الدر المختار، ج۴، ص۳۵۶، کتاب الوقف)

قال فی البحر :وحاصله أن شرط کونه مسجدا أن یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالی (وأن المساجد لله)بخلاف ما إذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة وهناک روایات ضعیفة مذکورة فی الهدایة .اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج۴، ص۳۵۸، کتاب الوقف)

وأما إذا اتخذ وسط داره مسجدا فلأن ملکه محیط بجوانبه فکان له حق المنع من الدخول والمسجد من شرطه أن لا یکون لأحد فیه حق المنع قال الله تعالی (ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۳، ص۳۳۰، کتاب الوقف)

(قوله غلق باب المسجد) الأفصح إغلاق، لما فی القاموس :غلق الباب یغلقه لغیة ردیئة فی أغلقه . اهـ .قال فی البحر :وإنما کره لأنه یشبه المنع مع الصلاة، قال تعالی -(ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه)ومن هنا یعلم جهل بعض مدرسی زماننا من منعهم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسه، وتمامه فیه.

(قوله إلا لخوف علی متاعه) هذا أولی من التقیید بزماننا لأن المدار علی خوف الضرر، فإن ثبت فی زماننا فی جمیع الأوقات ثبت کذلک إلا فی أوقات الصلاة، أو لا فلا، أو فی بعضها ففی بعضها، کذا فی الفتح .وفی العنایة :والتدبیر فی الغلق لأهل المحلة، فإنهم إذا اجتمعوا علی رجل وجعلوه متولیا بغیر أمر القاضی یکون متولیا انتهی بحر ونهر .(رد المحتار علی الدر المختار، ج۱، ص۶۵۱، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

www.idaraghufran.org

پھر یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ موجودہ حالات میں، جبکہ تعددِ جمعہ میں کوئی شرعی وقانونی حائل ومانع نہیں، اور موجودہ پرفتن معاشرتی دور میں عموماً وعادتاً مختلف حفاظتی واحتیاطی مقاصد کی بناء پر، رات دن، گھروں کے دروازے بند رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دروازے کھولنے کی قید لگانے کا کیا مقصد؟

کیا اس سے یہ مقصود ہے کہ اگر لوگ، کسی گھر، یا دفتر، یا کارخانے وغیرہ میں جمعہ کی نماز قائم کریں، تو وہ جمعہ کے وقت اس عمارت کا دروازہ چوپٹ کھول کر، نمازِ جمعہ میں مشغول ہوجائیں، اور وارداتیوں، چوروں، ڈاکوؤں کے لیے، راستہ فراہم کریں، اور مزید براں جمعہ کی اذان دے کر اس چیز سے ان کو آگاہ کردیں کہ اس گھر میں اب جمعہ کے لیے داخلہ کا اِذنِ عام، بلکہ دعوتِ عام ہے، خواہ داخل ہونے والے کے دل میں واردات کیوں نہ مخفی ہو؟

تو ہم موجودہ حالات میں، جبکہ تعددِ جمعہ میں شرعاً وقانوناً کوئی چیز مانع نہیں، گھر کا دروازہ کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیتے، جس کی تفصیل ہم اپنے دوسرے مضمون میں بیان کرچکے ہیں، اور مزید تفصیل آگے اذنِ عام کی تحقیق میں بھی آتی ہے، لہٰذا جس چیز کے ہم مدعی وداعی ہیں ہی نہیں، تو ہم اس چیز کے جواب دہ اور مکلّف بھی نہیں ہوں گے۔

اگر مذکورہ صاحبِ علم اس چیز کے مدعی اور داعی ہوں، تو یہ ان کا مسئلہ ہے، وہ جانیں اور ان کے متبعین جانیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 8 کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات میں، حکومتی پابندی، کیونکہ عوامی مصلحت پر مبنی ہے، جس میں اپنے گھروں تک محدود رہنے کا حکم بھی ہے، اس لئے ہم حتی الامکان اس کی پابندی کی رائے رکھتے ہیں، اور ایسی صورت میں اس پابندی کو توڑ کر جمعہ پڑھنے کا مکلّف قرار دیے جانے کی رائے نہیں رکھتے، جیسا کہ آگے اذنِ حاکم کی تحقیق کے ضمن میں آتا ہے۔

مذکورہ صاحبِ علم کا موقف اس سلسلے میں مختلف ہو، تو اس کا ہمیں علم نہیں۔

www.idaraghufran.org

اس لیے موجودہ حالات میں ''سعی الی الجمعة'' کے طور پر، اگلے گھر میں جانے کا وہی حکم ہوگا، جو بعینہٖ اسی صورت میں ایک گھر کے فاصلے پر گھر کے بجائے موجود، مسجد میں جانے کا ہوگا، جہاں مثلاً پانچ افراد جمعہ کی نماز قائم کر رہے ہوں، اور چھٹے فرد کو حکومت کی طرف سے قانونی ممانعت ہو۔

اگر مذکورہ صاحبِ علم، گھر کے بجائے، مسجد ہونے کی صورت میں تو وہاں کے لیے جمعہ کی سعی کو، ضروری نہ سمجھتے ہوں، اور اس سے بڑھ کر جمعہ کو ہی واجب نہ سمجھتے ہوں، اور اس کے بجائے گھروں میں جمعہ کو غیر درست قرار دے کر ظہر کا حکم لگاتے ہوں، اور وہ بھی جماعت کے ساتھ مستحب ہونے کا، تو اس قسم کے الزامات، خود مذکورہ صاحبِ علم پر عائد ہوتے ہیں، جن کا معقول ومنقول اور موثر جواب دینا، ان کی ذمہ داری ہے، جس کے بعد دوسرے کو حق ہوگا کہ ان باتوں کا جو جواب وہ دیں، وہی جواب دوسرا بھی ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کردے۔

اور جب یہاں بھی یہ مثال، اس سے پہلے نمبر اور اس میں مذکور تفصیل کے مطابق، گھر کے علاوہ، مسجد پر بدرجۂ اولیٰ منطبق ہوسکتی تھی، جس کو تسلیم کر کے مذکورہ صاحبِ علم گھروں میں نمازِ جمعہ کو غیر صحیح وغیر واجب قرار دے کر، نمازِ ظہر کا مکلّف قرار دیتے ہیں، تو اس کو نظر انداز کر کے ، گھر کی مثال ذکر کرنا، چہ معنیٰ دارد۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 9 کے متعلق عرض ہے کہ تمام گھروں کے متعلق اصول وہی کارفرما ہوگا، جو ذکر کیا جاچکا۔

اور ان سب مثالوں میں مسجد کو نظر انداز کرنا، اور گھر کا انتخاب کرنا ہی بے محل، بلکہ ہیرا پھیری کے مترادف ہوگا، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

ہماری معلومات میں اس وقت حکومت کی طرف سے اپنے گھروں تک محدود رہنے کا حکم ہے، پھر جب تک اس قانون کی پابندی کو شرعاً ضروری قرار دیا جائے گا، یا اس کی خلاف ورزی پر

www.idaraghufran.org

کوئی معقول نقصان پیش آنے کا اندیشہ ہوگا، اس وقت تک یہی حکم رہے گا، بلکہ اس صورت میں تو جمعہ کی خاطر اپنے قریبی گھر میں بھی جانے کی گنجائش مشکل ہوگی، چہ جائیکہ دُور دراز کے گھروں تک جانے کی جدوجہد کی جائے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 10 کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات اور حکومت کے موجودہ قانون کے پیشِ نظر، مذکورہ صاحبِ علم سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر کسی کے محلے میں سرے سے مسجد نہ ہو، جس کی وجہ سے وہاں جمعہ قائم نہ ہو، یا مسجد تو ہو، اور اس میں جمعہ بھی قائم ہو، لیکن اس کے دروازے بند ہوں، یا وہی قانون کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، بلکہ قانون پر عمل درآمد ہی کے لیے مسجد کے دروازے بند رکھے گئے ہوں، جس کی وجہ سے، اس کو اس مسجد میں داخل ہونا ممکن نہ ہو، خواہ محلے میں اس طرح کی ایک مسجد ہو، یا ایک سے زیادہ مساجد ہوں، تو کیا اس کو دوسرے محلے کی مسجد میں جانا ضروری ہوگا؟

اس بارے میں وہ جو معقول ومؤثر جواب ہمیں، یا اپنے سے سوال کرنے والوں کو مرحمت فرمائیں گے، ہم اسی جواب کو اپنے لیے بھی کافی سمجھنے میں ان شاء اللہ، لیت ولعل یا حیل وحجت سے کام نہ لیں گے، بشرطیکہ جواب معقول ومؤثر ہو۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 11 کے متعلق ہماری طرف سے بھی نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ وھلم جرا.

لیکن اس قید کے ساتھ کہ ازراہِ کرم، مذکورہ تمام مقامات پر مسجد، یا جامع مسجد کی مثال کو ضرور شامل فرمالیں۔

کیونکہ موجودہ زمانے میں جماعت اور جمعہ کا معروف ومشہور مقام، مسجد ہے، اگر غیر معمولی حالات اور مخصوص قانون کی بناء پر اس معروف ومشہور اور معتاد مقام سے کسی کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے، تو اس کو نظر انداز کر کے غیر معروف وغیر معتاد مقام کو مثال میں پیش کرنا، اس وقت زیب دے سکتا ہے، جبکہ موجودہ حالات میں مسجد کے لیے یہ تمام توسعات موجود ہوں، اور

اگر مسجد کے لیے یہ تمام توسعات موجود ہوں گے، تو پھر گھروں میں جمعہ کے قیام پر زور دینے کی موجودہ بحث کا ہی دروازہ بند ہو جائے گا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں اور مذکورہ صاحبِ علم، بلکہ دنیا بھر کے اصحابِ علم کو اپنے قیمتی اوقاتِ زندگی کو اس بحث میں خرچ کرنے کی بھی خاطر خواہ ضرورت نہ رہے گی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صاحبِ علم، اس تحریر کے ذریعے نہ اپنا دعویٰ واضح طور پر ثابت کر سکے، اور نہ ہی اس دعوے پر کوئی مؤثر دلیل قائم کر سکے، بلکہ ان کا اس سلسلے میں جو پہلے سے دعویٰ، یا اس کے دلائل ہیں، وہ خود ان کے اس مجمل ومبہم دعوے کے خلاف ہیں، اور ان کے دعویٰ ودلائل میں التباس واختلاط کا قضیہ ایک الگ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور ہم آخر میں اپنے اس دعوے کو صاف طور پر واضح کرنے میں بحمد اللہ تعالیٰ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ جب شہروں میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، خواہ بڑے مجامع کے ساتھ یا چھوٹے مجامع کے ساتھ، ایسی صورت میں عام حالات میں بھی گھر کا دروازہ بند کر کے، چار یا زیادہ افراد کا جمعہ قائم کرنا فی نفسہٖ جائز ہے، اور گناہ نہیں، لیکن بلاضرورت اس طرزِ عمل کو اختیار کرنا، اور اس کی عادت بنانا پسندیدہ فعل نہیں۔

مذکورہ تحریر میں جو بعض نکات انتہائی مجمل انداز میں چھیڑے گئے ہیں، وہ کچھ تفصیل وتنقیح کے متقاضی ہیں، آگے ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ اگر ہماری طرف سے الزامی نوعیت کی گفتگو سے دل شکنی، یا ناگواری محسوس ہوئی ہو، تو اس کے لیے برضائے الٰہی معذرت خواہ، بلکہ معافی کے خواستگار ہیں، اور اس سلسلہ میں بتقاضۂ حسنِ ظن پُر امید بھی ہیں، بالخصوص جبکہ ہماری معروضات کسی سے ذاتی ونفسانی اختلاف پر مبنی نہ ہوں، بلکہ دینی جذبہ اور اس کے تقاضے پر مبنی ہوں۔

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر 1)

’’سعی الی الجمعۃ‘‘ ومعذور کی تحقیق

مذکورہ صاحبِ علم نے اپنی مختصر تحریر میں ’’سعی الی الجمعۃ ‘‘ کے نکتہ کو بھی اٹھایا ہے، اور فقہائے کرام کی تصریحات کے بغیر اپنے موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش فرمائی ہے، لیکن اس مسئلہ کو بھی حسبِ عادت انہوں نے منقح نہیں کیا، اور ایسے انداز میں اس کا ذکر کردیا ہے، جس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ کئی دوسرے اصحابِ علم کو بھی ’’سعی الی الجمعۃ‘‘ کے بعض پہلوؤں کے نادرونایاب ہونے کی وجہ سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

اس لیے اب اس کے متعلق کچھ کلام کیا جاتا ہے، اور بعض ایسے پہلوؤں کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے، جو بعض اصحابِ علم کی نظروں سے مخفی رہ جاتے ہیں۔

جمعہ کی سعی سے متعلق آیتِ قرآنی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ. ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الجمعۃ، رقم الاٰیۃ ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب نداء (یعنی اذان) دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن کی، تو سعی کروتم، اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو بیع کو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اگر تم جانتے ہو (سورہ جمعہ)

اس آیتِ مبارکہ سے جمعہ کی فرضیت معلوم ہوئی۔

اوراس آیت میں نداء سے مراد ''اذان'' ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لئے اذان کا حکم ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن نماز کی اذان ہونے پر اللہ کے ذکر کی طرف سعی کا حکم فرمایا ہے، اوراس حکم کے بعد مزید تاکید یہ فرمائی کہ اذان کے بعد خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو۔

اور ''ذکرُاللہ'' سے مرد، نمازِ جمعہ، یا خطبۂ جمعہ، یا دونوں ہیں ''علیٰ إختلاف الأقوال، کما سیجیئ''

''سعی الی الجمعة'' کی توضیح

''سعی الی الجمعة'' سے مراد، جمعہ کی تیاری کرنا ہے، جو ہر شخص کے لیے، اسی کی حسبِ شان ہوتی ہے، مثلاً وضو، غسل کی ضرورت ہو، تو وہ کرنا، کیونکہ نماز کے لیے حدثِ اصغرو اکبر سے پاکی ضروری ہے۔

۱؎ صلاة الجمعة من الفرائض المعلوم فرضيتها بالضرورة، وبدلالة الكتاب والسنة؛ فيكفر جاحدها .قال الكاساني :الجمعة فرض لا يسع تركها، ويكفر جاحدها والدليل على فرضيتها : الكتاب والسنة وإجماع الأمة.

أما الكتاب فقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله قيل " :ذكر الله "هو صلاة الجمعة، وقيل :هو الخطبة، وكل ذلك حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة، بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة، فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة؛ ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالى.

وقد استدل الإمام السرخسي -أيضا -بالآية المذكورة من وجهين:

الوجه السابق، ووجه آخر حيث قال : اعلم أن الجمعة فريضة بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى :(فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) والأمر بالسعي إلى الشيء لا يكون إلا لوجوبه، والأمر بترك البيع المباح لأجله دليل على وجوبه أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۹۳، مادة "صلاة الجمعة")

www.idaraghufran.org

جسم یا کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی ہو، تو اس کو دور کرنا، کیونکہ نماز کے لیے جسم اور لباس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔

اور اگر کوئی شخص پانی کو استعمال کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور وجہ سے، تو تیمّم کرنا۔

اور جس جگہ جمعہ ادا کیا جاسکتا ہو، تو وہاں پہنچنے اور قیامِ جمعہ کا اہتمام کرنا، خواہ وہ جگہ دور ہو، یا قریب ہو، یہاں تک کہ بالکل قریب کیوں نہ ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر کوئی، مثلاً اسی جمعہ قائم ہونے والے مقام پر ہو، جیسا کہ بہت سے مؤذنین اور خدامِ مسجد اور دینی مدارس و مکاتب کے معزز اساتذہ وطلبہ وغیرہ، جمعہ قائم ہونے والے مقام پر ہوتے ہیں۔

تو اذان کے بعد ''سعی الی الجمعۃ'' ہر شخص پر اس کی حسبِ حیثیت وحسبِ شان واجب ہوگی، سب کے لیے یکساں حکم نہ ہوگا، اور ایک عمارت وغیرہ سے دوسری عمارت وغیرہ میں جانا، جہاں جمعہ قائم کیا جارہا ہے، وہاں جانا بھی سعی میں داخل ہوگا، یہاں تک کہ اگر اسی جگہ لیٹا، بیٹھا ہوا ہے، تو وہیں رہتے ہوئے خطبہ کی سماعت کرنے کا اہتمام کرنا بھی اس میں داخل ہوگا، اور اگر لیٹا ہوا ہے، اور بیٹھ کر جمعہ پڑھنے پر قادر ہے، تو وہیں رہتے ہوئے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے بیٹھ جانا، اور کھڑے ہونے پر قادر ہے، تو لیٹے یا بیٹھے ہوئے کا قیامِ جمعہ کے لیے کھڑا ہوجانا، یہ بھی ''سعی الی الجمعۃ'' میں داخل ہوگا۔

بہرحال جو لوگ دوسری جگہ جانے پر قادر نہیں، یا دوسری جگہ ان کو جمعہ کا حاصل ہونا میسر نہیں، لیکن اپنے مقام پر رہتے ہوئے، قیامِ جمعہ پر قادر ہیں، ان کو اپنی جگہ رہتے ہوئے قیامِ جمعہ کی سعی کرنا بھی ''سعی الی الجمعۃ'' کے مفہومِ عام میں اس کا جزو بن کر داخل ہے۔ [1]

اور بہت سے حضرات نے جو سعی کی تفسیر ''ذھاب'' وغیرہ سے کی ہے، وہ اس کی ایک

---

[1] الصحة؛ لأن المريض تلحقه المشقة أيضا فی حضور الجمعة، وانتظار الإمام(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ ص۸۵، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

معروف شکل ہے، کیونکہ جمعہ، جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے ہر ایک کو دوسرے کی عادتاً ضرورت پڑا کرتی ہے، بلکہ قیامِ جمعہ یعنی جمعہ کی جماعت کو وجود میں لانے کے لیے ایک انسان، دوسرے انسان کا محتاج ہوتا ہے، تو اس مقصد کے لیے عادتاً وعموماً ''ذھاب'' کو بروئے کار لانا پڑتا ہے، خواہ وہ ذھابِ کثیر ہو، یا ذھابِ قلیل ہو، اور اسی حیثیت سے بعض نصوص میں ''رواحُ الجمعة'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]

ورنہ اس میں حسبِ ضرورت وضو، غسل اور پا کی وطہارت بھی داخل ہے، جیسا کہ گزرا، اور ان چیزوں کے لیے ''ذھاب'' لازم نہیں، بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے ان امور کو انجام دیا جانا ممکن ہے، اور لفظِ ''سعی'' اللہ تعالیٰ کے معجز کلام ہی کا حصہ ہے، اور یہ اپنی جامعیت کے ساتھ ''سعی الی الجمعة'' کی جملہ زمانوں اور مکانوں کی تمام عملی صورتوں اور شکلوں کو پوری طرح شامل اور محیط ہے، اور جس زمانے اور جس علاقے میں بھی، جس ''مکلف بالجمعة'' کے لیے، جس طرح کی ''سعی'' جمعہ اداء کرنے کے لیے درکار ہے، اس طرح کی سعی کا وہ مکلّف ہے، اور ہمارے عرف میں بھی ''سعی'' کا لفظ ''کوشش'' کے معنیٰ میں اسی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کام کی ''سعی'' ہی نہیں کی، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوشش نہیں کی، یعنی جتنی کوشش کا وہ مکلّف تھا۔ ''فسبحان الله علی کلام الله'' [2]

---

[1] عن حفصة، عن النبي – صلى الله عليه وسلم – قال:" على كل محتلم رواح الجمعة، وعلى من راح إلى الجمعة الغسل "(سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۴۲)
قال شعيب الارنؤوط:اسناده صحيح(حاشية سنن ابی داؤد)

[2] چنانچہ متعدد محققین نے اسی تحقیق کو ملحوظ رکھا ہے۔ محمد رضوان خان۔
وقوله تعالى :فاسعوا إلى ذكر الله ...الآية، السعى فى الآية لا يراد به الإسراع فى المشى، وإنما هو بمعنى قوله :وأن ليس للإنسان إلا ما سعى ،فالسعى هو بالنية والإرادة والعمل من وضوء ، وغسل، ومشى، ولبس ثوب كل ذلك سعى(تفسير الثعالبى،ج۵،ص۴۳۰،تفسير سورة الجمعة)
وقال الجمهور :السعى العمل كقوله تعالى :(ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن) وقوله :(إن سعيكم لشتى)(من سورة الليل) , وقوله :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

” سعی الی الجمعة “ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ:

السعی إلی الجمعة وهو التأهب لها والاشتغال بأسبابها والمشی واجب علی الفور وجوبا مضیقا ولیس علی التوسعة کغیرها من الصلوات لقوله تعالی (فاسعوا) والمعنی فیه تعظیم الجمعة علی غیرها من الصلوات فخصت بوجوب السعی إلیها من أول الوقت قصدا (فتاویٰ السبکی ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة)

ترجمہ: جمعہ (کی نماز) کی سعی کرنا، اور وہ جمعہ (کی نماز) کے لیے ”تأهب“ (یعنی تیاری) کرنا اور جمعہ (کی نماز) کی تیاری کے اسباب میں مشغول ہونا اور جمعہ (کی نماز) کی طرف چلنا ہے، جو کہ فی الفور بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے، اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں، جیسا کہ دوسری نمازوں میں گنجائش ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ”سعی کرو“۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کو دوسری نمازوں پر تعظیم حاصل ہے، اس لیے جمعہ (کی نماز) کی طرف سعی کا اول وقت میں واجب ہونا قصداً جمعہ (کی نماز) کے ساتھ خاص ہے (فتاویٰ السبکی)

اور ”بدائعُ الصنائع“ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمعنی: فاعملوا علی المضی إلی ذکر الله واشتغلوا بأسبابه من الغسل والطهر والتوجه إلیه (تفسیر اللباب لابن عادل، ص ۴۹۲۳، تفسیر سورۃ الجمعة)

وعبر بالسعی إشارة إلی أنه یطلب من المسلم القیام للجمعة بهمة ونشاط، وجد وعزیمة، لأن لفظ السعی یفید الجد والعزم. إلی ذکر الله للصلاة (التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعة والمنهج، ج۲۸، ص۱۹۵، تفسیر سورۃ الجمعة)

ولیس المراد بالسعی هاهنا المشی السریع وإنما هو الاهتمام بها کقوله تعالی: ومن أراد الآخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن (تفسیر ابن کثیر، ج۸، ص۱۴۵، تفسیر سورۃ الجمعة)

www.idaraghufran.org

قيل ذكر الله هو صلاة الجمعة، وقيل هو الخطبة وكل ذلك حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة، ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالى(بدائع الصنائع ، ج ا ص ۲۵٦، فصل صلاة الجمعة)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ ذکرُ اللہ سے مراد جمعہ کی نماز ہے اور کہا گیا ہے کہ خطبہ مراد ہے اور یہ دونوں باتیں حجت ہیں، اس لیے کہ خطبہ کی طرف سعی جمعہ کی نماز ہی کی وجہ سے ہے، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ جس پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، اس پر خطبہ کی سعی بھی واجب نہیں رہتی، پس خطبہ کے لیے سعی کا فرض ہونا، جمعہ کی نماز ہی کے لیے فرض ہے اوراس لیے بھی کہ ذکرُ اللہ نماز اور خطبہ دونوں کو شامل ہے، اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک ذکرُ اللہ ہے(بدائعُ الصنائع)

اس طرح کی اور بھی ان گنت عبارات وحوالہ جات ہیں، جن کو نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جمعہ کی اذان کے بعد، جمعہ کی سعی ضروری ہوجاتی ہے، اوراس سعی میں جواُمور مخل ہوں، بطورِ خاص خرید وفروخت، اوراس کے علاوہ وہ تمام کام ممنوع ہوجاتے ہیں، جو جمعہ کی سعی میں مخل ہوں، اور جب یہ ممانعت، جمعہ کی سعی میں مخل ہونے کی وجہ سے ہے، تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے، جن پر جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب ہو، اور جن پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب نہ ہو، مثلاً عورت، مسافر، غلام اور قیامِ جمعہ پر غیر قادر مریض، تو ان لوگوں کے لیے یہ ممانعت نہیں۔ [1]

---

[1] البتہ حنابلہ کے نزدیک ممانعت بیع وشراء کے عقد کے ساتھ خاص ہوتی ہے، اور بیع وشراء کے علاوہ دیگر تمام عقود جائز ہوتے ہیں۔ محمد رضوان۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جمعہ سے معذور افراد سے متعلق احادیث

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جن پر جمعہ واجب نہیں، اور اس کی وجہ سے وہ جمعہ سے معذور کہلاتے ہیں، تو ان کا ذکر، مندرجہ ذیل احادیث میں ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فصل :وتحريم البيع، ووجوب السعي، يختص بالمخاطبين بالجمعة، فأما غيرهم من النساء والصبيان والمسافرين، فلا يثبت فی حقه ذلک .وذكر ابن أبي موسى في غير المخاطبين روايتين . والصحيح ما ذكرنا؛ فإن الله تعالى إنما نهى عن البيع من أمره بالسعي، فغير المخاطب بالسعي لا يتناوله النهي، ولأن تحريم البيع معلل بما يحصل به من الاشتغال عن الجمعة، وهذا معدوم في حقهم.

فإن كان المسافر في غير المصر، أو كان إنسانا مقيما بقرية لا جمعة على أهلها، لم يحرم البيع قولا واحدا، ولم يكره .وإن كان أحد المتبايعين مخاطبا والآخر غير مخاطب، حرم في حق المخاطب، وكره في حق غيره؛ لما فيه من الإعانة على الإثم ويحتمل أن يحرم أيضا :(ولا تعاونوا على الإثم والعدوان)(المغنى لابنِ قدامة الحنبلي، ج۲ص ۲۲۰، كتاب صلاة الجمعة ، فصل تحريم البيع ووجوب السعي يختص بالمخاطبين بالجمعة)

قيود تحريم هذا البيع:إن هذا النهي الذي اقتضى التحريم أو الكراهة، مقيد بقيود:

أ -أن يكون المشتغل بالبيع ممن تلزمه الجمعة، فلا يحرم البيع على المرأة والصغير والمريض، بل نص الحنفية على أن هذا النهي قد خص منه من لا جمعة عليه.ومع ذلک، فقد ذكر ابن أبي موسى - من الحنابلة -روايتين في غير المخاطبين، والصحيح عندهم أن التحريم خاص بالمخاطبين بالجمعة .وذلک :لأن الله تعالى إنما نهى عن البيع من أمره بالسعي، فغير المخاطبين بالسعي لا يتناولهم النهي .ولأن تحريم البيع معلل بما يحصل به من الاشتغال عن الجمعة، وهذا معدوم في حقهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹، ص ۲۲۶،مادة "بيع")

قياس غير البيع من العقود عليه في التحريم:

النهي عند الجمهور شامل البيع والنكاح وسائر العقود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹،ص ۲۲۶،مادة "بيع")

يعلم أن صورة البيع غير مقصودة، وإنما المقصود ما يشغله عن ذكر الله تعالى مثل النكاح وغيره، ولكن ذكر البيع لأنه أهم ما يشتغل به عن ذكر الله تعالى(تفسير القرطبي، ج۵ صفحه ۲۶،سورة النساء)

وذروا البيع أراد ترک ما يشغل عن الصلاة والخطبة وانما خص البيع بالذكر لاشتغالهم غالبا بعد الزوال في الأسواق بالبيع والشراء فلو عقد البيع في الطريق وهو يمشي الى الجمعة لا بأس به (التفسير المظهري، ج۹ص ۲۸۲، سورة الجمعة)

www.idaraghufran.org

حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوكٍ، أَوِ امْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيضٍ (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۰۶۷، کتاب الصلاۃ، ابواب الجمعۃ، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوكٍ، أَوِ امْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيضٍ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۰۶۲، کتاب الجمعۃ) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (حاکم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ چار قسم کے افراد پر جمعہ واجب نہیں، اور جب ان پر جمعہ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح. طارق بن شهاب اتفِق على أنه رأى رسولَ الله -صلَّى الله عليه وسلم-، لكن اختُلف هل سمع منه أم لا؟ وعلى تقدير أنه لم يسمع منه تكون روايته مرسل صحابی، وهو حجة بالإجماع إلا من شذَّ، كما قال ابنُ الملقن فی "البدر المنير (حاشية سنن ابی داؤد)

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد اتفقا جميعا على الاحتجاج بهريم بن سفيان ولم يخرجاه ورواه ابن عيينة، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر ولم يذكر أبا موسى فی إسناده، وطارق بن شهاب ممن يعد فی الصحابة.

و قال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

واجب نہیں، تو ان پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں۔ [1]

اور مریض کی توضیح پہلے کی جاچکی ہے اور آگے بھی آتی ہے، اپاہج، اور عام نابینا وغیرہ بھی، مریض کے حکم میں داخل ہیں، اس لیے ان کے الگ سے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

جبکہ بعض اوقات انسان کے فی نفسہٖ مکلّف بالجمعۃ ہونے کے باوجود، خارج میں کوئی دوسرا معقول ومؤثر عذر بھی پیش آسکتا ہے، مثلاً تیز بارش، یا ہنگامی حالات میں قانونی یا معاشرتی مجبوری وغیرہ، جیسا کہ بعض احادیث میں اس قسم کی چیزوں کا ذکر ہے، اور فقہائے کرام کی تصریحات وتوضیحات بھی اس سلسلہ میں موجود ہیں، چنانچہ فقہائے کرام نے مختلف اسباب کے پیشِ نظر جمعہ واجب نہ ہونے، یا جمعہ کے لیے حاضر نہ ہونے پر کلام فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

اذان پر وجوبِ سعی اور معذور پر وجوبِ جمعہ کی توضیح

پھر اذانِ جمعہ پر سعی سے یہ مراد نہیں کہ اگر کہیں اذان کی آواز نہ آئے، یا کسی کو اذان سنائی نہ دے، تو اس پر جمعہ کی سعی واجب ہی نہ ہو، کیونکہ اذان تو دراصل جمعہ کی طرف بلانے اور دعوت دینے کے لیے مشروع اور سنت ہے، ورنہ اصل فریضہ، جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے، وہ نماز ہے، جس کے لیے خطبہ بھی ضروری ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''منحۃ الخالق'' میں فرمایا کہ:

---

[1] والمأمور بالسعی هو المؤمن الصحیح البالغ الحر الذکر، ولا جمعة علی مسافر فی طاعة، فإن حضرها أحسن، وأجزأته (تفسیر الکتاب العزیز، لا بن عطیة الأندلسی، ج۵، ص۳۰۸، سورة الجمعة)

[2] (الجمعة حق واجب علی کل مسلم مکلف) زاد فی روایة یؤمن بالله والیوم الآخر (فی جماعة) فیشترط أن تقام فی جماعة (إلا علی أربعة) بالنصب لأنه استثناء من موجب (عبد مملوک فلا جمعة علیه لشغله بخدمة سیده (أو امرأة) ومثلها الخنثی (أو صبی) ولو مراهقا (أو مریض) وکذا مسافر وکل من له عذر مرخص فی ترک الجماعة (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۳۶۳۰)

www.idaraghufran.org

''سلف کے زمانے میں جماعت کی نماز ایک ہی مرتبہ ہوتی تھی، اور وہ ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کو نماز پڑھادیا کرتے تھے، تو جو شخص اس نماز سے پیچھے رہ جاتا تھا، تو اس کی جماعت فوت ہوجاتی تھی، اور عنقریب یہ بات آتی ہے کہ اہلِ مذہب (یعنی حنفیہ) کے نزدیک، راجح یہ ہے کہ جماعت واجب ہے، تو اس نماز کے وقت اس کی سعی بھی واجب ہوگی، اور وہ سعی اذان سے واجب ہوتی ہے، جیسا کہ جمعہ کے دن کی سعی، اذان سے واجب ہوتی ہے، اور وہ نماز کے لیے واجب ہوتی ہے، خود اذان کے لیے واجب نہیں ہوتی''۔ انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں ایک ہی جماعت ہوتی تھی، اس لیے جو شخص اس سے رہ جاتا تھا، وہ ایک طرح سے جماعت سے رہ جاتا تھا، جمعہ کا بھی یہی حال تھا، اور پنج گانہ نمازوں، اور جمعہ کی اذان، اور اس کے نتیجہ میں جماعت، یا جمعہ کی سعی واجب ہونے کا بھی یہی حال تھا، اس فرق کے ساتھ کہ اس وقت جمعہ کی صرف ایک دوسری اذان ہی تھی، اور اس پر ''سعی'' واجب تھی، اور اب بھی جمہور غیر حنفیہ، بلکہ بعض حنفیہ کے نزدیک اسی پر واجب ہے، مگر جمہور حنفیہ کا قول پہلی اذان پر سعی واجب ہونے کا ہے۔

اور اب جبکہ تعددِ جمعہ وجماعاتِ پنجگانہ، رائج اور جائز ہیں، اور تصریحاتِ فقہاء کے پیشِ نظر، یہاں تک بھی جائز ہے کہ اپنے گھر میں شرائطِ صحتِ جمعہ کے ساتھ، جمعہ وجماعت کی جائے، تو

---

[1] وقد يجاب بأن ذلک مبنی علی ما کان فی زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تکررها کما هو فی زمنه -صلی الله عليه وسلم -فإنه هو الذی کان يصلی بأصحابه فإذا فرغ فمن تخلف تفوته الجماعة وسيأتی أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة فيجب السعی إليها عند وقتها وذلک بالأذان کما فی" السعی يوم الجمعة يجب بالأذان لأجل الصلاة لا لذاته" فتأمل ذلک فلعله يحصل به التوفيق بين کل من القولين(منحة الخالق، ج ۱ ،ص ۲۷۳،باب الأذان)

www.idaraghufran.org

اس کی وجوبِ سعی کا مقصود، اسی طرزِ عمل کے ذریعے سے حاصل ہو جائے گا۔

کیونکہ یہ گزر چکا کہ سعی کا وجوب، اس وجہ سے ہے کہ جمعہ کا فریضہ ادا کیا جا سکے، تو جو شخص، جس شکل میں قیامِ جمعہ پر قادر ہے، تو وہ اسی حیثیت سے، اس فریضہ کی ادائیگی کی سعی کا بھی مکلّف ہوگا۔

البتہ جو اس طرح کے معذور ہیں کہ ان کا عذر، مذکورہ صورت میں بھی ان کے ساتھ قائم ہے، جیسا کہ عورت، غلام، مسافر، ان پر قیامِ جمعہ کے مقام واجتماع کے قریب اور انتہائی قریب ہوتے ہوئے بھی جمعہ، یا اس کی سعی واجب نہیں، تا آنکہ کوئی وجوب لغیرہٖ کی وجہ نہ پائی جائے، مثلاً امام کے ساتھ جمعہ میں نیت باندھ کر شریک ہو جانا وغیرہ۔

اور مریض کے کسی بھی حیثیت سے مع اپنی شرائط کے قیامِ جمعہ پر قادر ہونے کے باوجود بھی اس کو مریض ہونے کی وجہ سے ''معذور عن الجمعة'' سمجھنے سے کم از کم ہمیں اتفاق نہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''منحة الخالق'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

> ''جمعہ کی سعی تو فرض ہے، لیکن (عندالحنفیۃ) اذانِ اول کے بعد واجب ہے، فرض نہیں ہے، کیونکہ اس اذان پر سعی واجب ہونے میں اختلاف ہے، لہٰذا اس میں شبہ پیدا ہو گیا''۔ انتھٰی۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ غیر حنفیہ کے نزدیک دوسری اذان پر ''سعی'' واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک پہلی اذان پر واجب ہے، اس لیے ''سعی'' جو کہ فی نفسہٖ فرض تھی، اس کو پہلی اذان پر فرض نہیں کہا گیا، واجب کہا گیا، اور اس واجب سے مراد بھی حنفیہ کا مخصوص اصطلاحی واجتہادی واجب ہے، منصوص اور متفق علیہ واجب مراد نہیں۔

اور امام قدوری نے فرمایا کہ:

> ''شہر میں اذان کا سننا معتبر نہیں، کیونکہ جو شخص شہر کے کنارے میں ہو، تو اس پر بھی

---

[1] أصل السعي فرض وأما كونه عند الأذان الأول فهو واجب وليس بفرض للاختلاف فيه فأورث شبهة (منحة الخالق، ج۲، ص۱۶۹، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

جمعہ کی نماز واجب ہے، اگر چہ وہ اذان نہ سنے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

اورامام قرطبی نے فرمایا کہ:

’’امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب نے فرمایا کہ شہر میں جمعہ واجب ہے، اذان سنے یا نہ سنے، اور شہر سے باہر والے پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ اذان بھی سنے‘‘۔ انتھٰی۔ [2]

اورعلامہ ابنِ عابدین شامی نے’’ ردُّ المحتار ‘‘میں ایک مقام پرفرمایا کہ:

’’بعض حضرات نے فناء کی تعریف، اذان کی آواز سننے سے کی ہے، لیکن یہ راجح نہیں، بلکہ اس قسم کی قیود کے بجائے، فناء کا مدار، اس کے فناء کی تعریف، صادق آنے پر ہے، خواہ وہاں اذان کی آواز نہ بھی آئے‘‘۔ انتھٰی۔ [3]

مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہے کہ’’عندالحنفية‘‘جمعہ فرض ہونے کے لیے کسی کا اذان سننا ضروری نہیں، لہٰذا جس کو اذان کی آواز نہ آئے، اس پر بھی جمعہ کی سعی اپنے مقصود، یعنی حصولِ جمعہ وقیامِ جمعہ کے لیے ضروری ہے، بالکل اسی تفصیل کے مطابق، جس کا ذکر کیا گیا۔

اسی طرح شہر کا جو حصہ اس کی حدود وفناء میں داخل ہو، وہاں نمازِ جمعہ درست ہے، خواہ وہاں اذان کی آواز بھی نہ آئے۔

---

[1] قلنا :اعتبار سماع النداء فی المصر غیر معتبر؛ لأنه لا یجب علی من کان فی نواحي المصر وإن کان لا یسمع النداء(التجرید للقدوری، ج۲،ص۹۱۸،کتاب الصلاة)

[2] وقال أبو حنیفة وأصحابه تجب علی من فی المصر، سمع النداء أو لم یسمعه، ولا تجب علی من هو خارج المصر وإن سمع النداء(تفسیر القرطبی، ج۱۸، ص۱۰۴، تفسیر سورة الجمعة)

[3] (قوله والمختار للفتوی إلخ) اعلم أن بعض المحققین أهل الترجیح أطلق الفناء عن تقدیره بمسافة وكذا محرر المذهب الإمام محمد وبعضهم قدره بها وجملة أقوالهم فی تقدیره ثمانیة أقوال أو تسعة غلوة میل میلان ثلاثة فرسخ فرسخان ثلاثة سماع الصوت سماع الأذان والتعریف أحسن من التحدید لأنه لا یوجد ذلک فی کل مصر وإنما هو بحسب کبر المصر وصغره(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص۱۳۹،باب الجمعة)

اور جو بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں دور پرے سے اذانِ جمعہ کی آواز آ رہی ہے، وہاں، یا ان میں سے کسی ایک مقام پر جانے سے ہی یہ سعی کا وجوب ادا ہوگا، اگر کوئی اپنے یہاں متعلقہ شرائط کے ساتھ جمعہ ادا کرے، اس سے وجوب اداء نہ ہوگا، یہ سخت غلط فہمی ہے، کیونکہ سعی خود سے تو واجب ہی نہیں تھی، بلکہ جمعہ کے لیے واجب تھی ''سعی الی الجمعة'' کے الفاظ میں بھی، سعی کی نسبت، جمعہ کی طرف ہے۔

لہٰذا اندریں حالات، اگر کوئی اپنے یہاں بشرائطِ صحتِ جمعہ، قیامِ جمعہ کا اہتمام وانتظام کر کے اس فریضہ کو ادا کر لیتا ہے، اور کسی دوسرے فعلِ منکر کا بھی ارتکاب نہیں کرتا، وہ ہرگز فعلِ واجب کے ترک کا مرتکب شمار نہ ہوگا، جیسا کہ ہماری مبحوث فیہ صورت ہے۔

''کتابُ الأصل'' کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتابُ الاصل'' میں فرمایا کہ:

قلت: أرأيت إن كانوا دخلوا المصر فصلوا الجمعة مع أهله؟

قال: تجزيهم.

قلت: لم وهم مسافرون وليس عليهم جمعة؟

قال: إذا دخلوا مع الإمام وجب عليهم ما وجب على الإمام.

ألا ترى أن المرأة والعبد لا جمعة عليهما، ولو صليا الجمعة مع الإمام أجزأهما .أولا ترى أن المسافر عليه أن يصلى ركعتين، فإذا دخل فى صلاة مقيم وجب عليه ما وجب على المقيم، فكذلك الجمعة(كتاب الاصل للشيبانى، ج ۱ ص ۲۵۸، كتاب الصلاة)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ اگر مسافر شہر میں داخل ہو جائیں، پھر وہ جمعہ کی اہلیت رکھنے والوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں، تو کیا آپ کی رائے کے

مطابق ان کا جمعہ جائز ہوجائے گا؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جائز ہوجائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے، حالانکہ وہ مسافر ہیں، اوران پر جمعہ واجب نہیں؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب وہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوجائیں، تو ان پر وہی چیز واجب ہوجاتی ہے، جو امام پر واجب ہوتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عورت اور غلام پر جمعہ واجب نہیں، لیکن اگر وہ امام کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں، تو ان کی نماز جائز ہوجائے گی، اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسافر کے اوپر دو رکعتیں واجب ہیں، لیکن جب وہ مقیم کی نماز میں شامل ہوتا ہے، تو اس کے اوپر وہی چیز واجب ہوجاتی ہے، جو مقیم پر واجب ہوتی ہے (یعنی چار رکعات) (کتاب الاصل)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جو افراد جمعہ سے معذور ہوں، جیسا کہ مسافر، اگر وہ امام کے ساتھ، جمعہ میں شریک ہوجائیں، تو ہی ان پر جمعہ واجب ہوتا ہے، اوران کا جمعہ درست بھی ہوجاتا ہے، اس سے پہلے ان پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

مسافر اور غلام اور آخری درجے میں عورت کا مسئلہ تو واضح ہے۔[1]

جہاں تک مریض کا تعلق ہے، تو اس کے لیے یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ پہلے سے ایسے مقام پر موجود ہو، جہاں جمعہ قائم کیا جارہا ہے، اور وہ جگہ خواہ مسجد ہو، یا غیرِ مسجد ہو، یا جمعہ کے وقت وہ مریض جمعہ قائم ہونے والی جگہ پہنچ گیا ہو، اور اب اس کو جمعہ میں بشرائطِ صحت شریک ہونے

---

[1] لیکن مذکورہ صاحبِ علم نے اپنی منسلکہ تحریر میں اس کے برعکس ''معذور'' پر نمازِ جمعہ میں شریک ہوئے بغیر، جمعہ واجب ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے، اور دلیل دینے کی زحمت بھی نہیں فرمائی، دلیل کے مطالبہ پر بھی اس کو ''بدیہی'' قرار دے دیا۔
جبکہ فقہائے کرام کی تصریحات، ان کے دعوے کے برخلاف ہیں، اِلَّا یہ کہ مذکورہ صاحبِ علم کو ''معذور'' کی حقیقت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی ہو۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

میں مرض حائل نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس شخص کا مرض، جمعہ میں شرکت یا حاضری میں (جو بھی نام دیا جائے) حائل نہیں رہا، اور اس حیثیت سے وہ معذور نہ رہا، یعنی اب وہ معذور کی صفت کے ساتھ متصف نہ رہا، لہٰذا اس طرح کی خاص صورت میں اس پر نماز میں شریک ہوئے بغیر بھی جمعہ واجب ہوجائے گا، برخلاف مسافر کے، جس کا مذکورہ عبارت میں ذکر ہے، اور اس کے اخوات، یعنی غلام اور عورت کے، کہ وہ شریک ہونے سے پہلے بھی معذور ہونے کے ساتھ متصف ہیں، لہٰذا ان پر شرکت سے پہلے جمعہ لازم نہیں ہوگا، الا یہ کہ ان کی یہ صفت زائل ہوجائے، مثلاً مسافر، اپنی نیتِ اقامت وغیرہ کی وجہ سے مقیم ہوجائے، یا غلام، آزاد ہوجائے، برخلاف عورت کے، کہ اس کا عادتاً وفطرتاً، مرد ہونا ممکن نہیں۔

پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو علی الاطلاق یہ سمجھا جاتا ہے کہ جمعہ کو گھر وغیرہ میں قائم کرنے سے، وہاں پر موجود معذور افراد پر بھی جمعہ کا واجب کرنا لازم آتا ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے، اور یہ گھر کی صورت تو ایک اتفاقی ہے، اور وہ بھی کافی حد تک فرضی، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت مسجد میں، یا کسی کھلی جگہ میں، یا شہر کے کسی حصے میں جمعہ قائم کرنے کی صورت میں بھی بدرجہ اولیٰ پیش آسکتی ہے، بلکہ پیش آتی ہے۔

پھر اگر کوئی معذور، جمعہ میں شریک ہو بھی جائے، یا اس کو جمعہ میں شرکت سے کوئی معقول عذر نہ ہو، اور اس کو جمعہ میں شرکت کی دعوت دے بھی دی جائے، تو اس میں کون سا گناہ لازم آتا ہے، بلکہ اس میں تو اضافی ثواب ہے، متعدد فقہائے کرام نے معذور کے لیے بھی جمعہ کے دن، ظہر کے بجائے، جمعہ کو عزیمت قرار دیا ہے، البتہ بعض نے عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے، اور اس مستثنیٰ کرنے کی اصل وجہ بھی، گھر سے خروج ہے، اور وہ وجہ بھی گھر میں جمعہ قائم ہونے کی صورت میں مرتفع ہوجاتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے نقل کیا ہے کہ معذورین کو نمازِ جمعہ کا پڑھنا افضل ہے، سوائے عورت کے، لیکن اگر کسی عورت کا گھر، مسجد کے ساتھ متصل ہو، اور صحتِ اقتداء میں

www.idaraghufran.org

کوئی مانع نہ ہو، تو اس کے لیے بھی نمازِ جمعہ میں شرکت افضل ہے۔ [1]

اور آخری درجے میں عرض ہے کہ اگر کسی فرد پر، جمعہ کا واجب ہونا بھی لازم آ جائے، تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، کیونکہ مریض پر حسبِ قدرت نمازِ ظہر، پہلے سے ہی فرض ہے، اور مقیم ہونے کی صورت میں اس پر چار رکعات فرض ہیں، اگر اس کو جمعہ کا حکم دیا بھی جائے گا، تو اس کو دو رکعتیں پڑھنے کا ہی مکلّف کیا جائے گا، رہا خطبہ کا معاملہ، تو وہ ہر ایک کو پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے سننا، اور اس سے بڑھ کر خاموش رہنا بھی کافی ہے، نیز خطبہ کا مختصر اور نہایت مختصر ہونا بھی کافی ہے۔

اور اس کے باوجود بھی کوئی زیادہ زور لگائے، تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ گھر میں کسی مریض کو جمعہ پڑھنے میں غیر معمولی مشقت لاحق ہوسکتی ہے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس صورت میں وہ معذور ہے، اور اس پر جمعہ واجب ہی نہیں، پھر اشکال کی کیا بات رہی۔

اور یہ بات ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ایک نادرُ الوجود، یا فرضی سی صورت کی وجہ سے کیا اہلِ شہر کے تمام مقیم، بالغ، آزاد، صحت مند افراد سے جمعہ کو معاف قرار دیا جاسکتا ہے، ایسی صورت میں ان چند افراد کو عاصی قرار دینے سے بچنے کے لیے، اور وہ بھی زور زبردستی اور فرضی سی صورت متصور کرکے، اجتماعی طور پر لاکھوں افراد کو اس سے بڑے گناہ کا مرتکب اور فرض کا تارک ٹھہروانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ عامۃُ المسلمین کے دلوں میں جو جذبۂ شوق، جمعہ کی نماز کا پایا جاتا ہے، وہ ظہر کی نماز کا نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز کو ادا کرنے کے لیے بہت سے ایسے مسلمان بھی خوش دلی کے ساتھ تیار ہو جاتے ہیں، جو نمازِ ظہر کو ادا کرنے کا

---

[1] (قوله :وفى البحر إلخ) أخذه فى البحر من ظاهر قولهم :إن الظهر لهم رخصة فدل على أن الجمعة عزيمة، وهى أفضل إلا للمرأة لأن صلاتها فى بيتها أفضل وأقره فى النهر، ومقتضى التعليل أنه لو كان بيتها لصيق جدار المسجد بلا مانع من صحة الاقتداء تكون أفضل لها أيضا(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۵۵ ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

اہتمام نہیں کرتے، اوران کو اگر جمعہ کے دن، جمعہ کے بجائے نمازِ ظہر پڑھنے کو کہا جائے، تو آسانی سے تیار نہیں ہوتے، مگر جمعہ کے لیے بآسانی، بلکہ کسی کے کہے بغیر، خود سے تیار ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ کسی ہسپتال کی عمارت میں اگر جمعہ قائم کیا جائے، تو بہت سے مریض بھی جمعہ اداء کرلیتے ہیں، اور وہاں ظہر کی نماز پڑھی جائے، تو بہت سے مریض ظہر بھی نہیں پڑھتے۔

اور یہ شوق اور جذبہ، دراصل جمعہ کے شعارِ اسلام ہونے کی وجہ سے منجانب اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں راسخ ہوتا ہے، جو کسی کے نکالنے کی کوشش کرنے سے بھی نہیں نکلتا۔

”المبسوط للسرخسی“ کا حوالہ

”المبسوط للسرخسی“ میں ہے کہ:

> ”مریض کو جمعہ کے لیے حاضر ہونے کی وجہ سے، اور امام کے انتظار کی وجہ سے حرج لاحق ہوتا ہے“۔ انتھٰی۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مریض بالفرض، جمعہ قائم ہونے والی جگہ ہو، اور اسے امام کے انتظار کی وجہ سے بھی حرج لاحق ہوتا ہو، تب بھی وہ جمعہ سے معذور ہی کہلائے گا، اور ایسے مریض کے قریب، گھر میں جمعہ قائم کرنے سے اس پر جمعہ کا فرض ہونا لازم نہیں آئے گا، اِلَّا یہ کہ اس میں اس کو حرج لازم نہ آتا ہو، اور کوئی دوسری وجہ بھی حرج کی نہ ہو۔

”المبسوط للسرخسی“ میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

> ”جمعہ، ظہر سے قوی تر ہے، اور ضعیف، قوی کے مقابلہ میں ظاہر نہیں ہوتا، اور مریض کا حکم صحت مند سے، اس لیے جدا ہے کہ اس پر جمعہ کی سعی واجب نہیں، لیکن اگر وہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے، تو وہ اور صحت مند برابر ہیں، اس پر

---

[1] والمريض يلحقه الحرج فى شهود الجمعة وانتظار الإمام (المبسوط، للسرخسی، ج ۲، ص ۲۲، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

بھی جمعہ فرض ہوجائے گا''۔ انتھٰی۔ [1]

شرکتِ جمعہ مختلف شکلوں میں وجود پذیر ہوسکتی ہیں، صرف یہی نہیں کہ کہیں چل کر جائے، یا دور چل کر، بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے چند لوگوں کے ساتھ شریک ہوجائے، وہ بھی شریکِ جمعہ ہی کہلائے گا۔

اس لیے مریض کے متعلق، مذکورہ صاحبِ علم کو، جو غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس کو دور کرنا چاہیے۔

اوپر امام محمد اور اس کے بعد ''المبسوط للسرخسی'' کی عبارات سے یہ واضح ہوچکا کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب نہ ہو، اور وہ معذور ہوں، جب تک وہ جمعہ میں شریک نہ ہوں، اور وہ اس صفتِ عذر کے ساتھ متصف ہوں، ان پر شرکت فی الجمعۃ سے پہلے جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

حنفیہ کی دیگر کئی کتب میں بھی اس طرح کے متعدد جزئیات ہیں، جن سے اسی موقف کا راجح ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کی چند عبارات ذیل میں جاتی ہیں۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

''المحیطُ البرھانی'' میں ہے کہ:

''اگر آقا، غلام کو جمعہ میں حاضر ہونے کی اجازت دے دے، تو غلام کو جمعہ پڑھنا جائز ہے، لیکن اس صورت میں غلام پر جمعہ پڑھنا واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اجازت ملنے کے بعد بھی، اس کے مملوک اور غلام ہونے کی حیثیت برقرار ہے، اور اجازت ملنے کے بعد اس کے منافع، اس کے مملوک نہیں ہوجاتے۔

---

[1] نقول :الجمعة أقوى من الظهر ولا يظهر الضعيف فى مقابلة القوى وإنما فارق المريض الصحيح فى الترخص بترك السعى إلى الجمعة فإذا شهدها فهو والصحيح سواء فيكون فرضه الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج۲،ص ۳۲،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

اور شمس الائمہ حلوانی نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کے ساتھ، جامع مسجد میں اپنے آقا کی سواری کو محفوظ رکھنے کے لیے حاضر ہوا، تو اگر آقا کی سواری کی حفاظت میں کوتاہی لازم نہ آئے، تو غلام کے لیے جمعہ پڑھنا، اصح قول کے مطابق جائز ہے (واجب پھر بھی نہیں)

اور اگر مسافر، شہر میں اس نیت سے آیا کہ وہ جمعہ کے دن شہر سے باہر نہیں نکلے گا، تو بھی اس پر جمعہ لازم نہ ہوگا، جب تک وہ شہر میں مقیم ہونے کی نیت نہ کرے۔

اور دیہاتی اگر شہر میں جمعہ کے دن اس نیت سے آیا کہ وہ جمعہ کا وقت داخل ہونے سے پہلے، یا جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد، مگر جمعہ سے پہلے واپس چلا جائے گا، تو اس پر جمعہ کی نماز لازم نہ ہوگی، ورنہ واجب ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں وہ اہلِ مِصر کی طرح سے ہو جائے گا''۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں یہ تصریح ہے کہ غلام کو اس کے آقا کی طرف سے جمعہ کی اجازت ملنے کے بعد اور اپنے آقا کی سواری کی حفاظت کے لیے جامع مسجد آنے کے بعد بھی اس پر جمعہ

---

[1] وذکر شیخ الإسلام فی شرحه :إذا أذن المولی للعبد فی حضور الجمعة کان له أن یشهد الجمعة؛ لأن المنع کان حق المولی، وقد أبطل المولی حقه بالإذن، فکان له أن یشهدها، ولکن لا یجب علیه ذلک؛ لأن منافع العبد لم تصر مملوکة للعبد بإذن المولی فالحال بعد الإذن کالحال قبله........

وذکر شمس الأئمة الحلوانی السرخسی رحمه الله اختلاف المشایخ فی العبد یحضر مع مولاه المسجد الجامع لیحفظ دابته علی باب الجامع، هل له أن یصلی الجمعة؟ قال رحمه الله :والأصح أن له ذلک إذا کان لا یخل بحق مولاه فی إمساک دابته.

وروی عن محمد أن له أن لا یصلی الجمعة، وإن تمکن من ذلک، وأذن له السید فی أدائها.

وإذا قدم المسافر المصر یوم الجمعة علی عزم أن لا یخرج یوم الجمعة لا تلزمه الجمعة ما لم ینو الإقامة خمسة عشر یوما.....................

القروی إذا دخل المصر یوم الجمعة تلزمه الجمعة، وإن نوی أن یخرج من المصر فی یومه ذلک قبل دخول وقت الصلاۃ أو بعد دخول وقت الصلاۃ، فلا جمعة علیه؛ لأن فی الوجه الأول صار کواحد من أهل المصر، وفی الوجه الثانی لا، والله أعلم بالصواب(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲،ص۸۷،الفصل الخامس والعشرون فی صلاۃ الجمعة)

www.idaraghufran.org

واجب نہیں ہوتا۔

کیونکہ اس صورت میں بھی وہ جمعہ سے معذور ہونے کی صفت کے ساتھ متصف ہے، یعنی وہ غلام ہی ہے۔

حنفیہ کی دیگر کتبِ فقہ میں بھی اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور اس کے برخلاف قول کی دلیل سے تردید بھی کی گئی ہے۔

ساتھ ہی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسافر، اگر شہر میں حاضر ہو، جہاں نمازِ جمعہ ہوتی ہے، خواہ وہ شہر کے کسی بھی حصہ میں ہو، یہاں تک کہ جامع مسجد میں کیوں نہ ہو، تو مقیم ہوئے بغیر، اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مقیم ہوئے بغیر معذور کی صفت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

''البحرُ الرائق'' میں ہے کہ:

''میں نے اس نابینا کا حکم نہیں دیکھا، جو جامع مسجد میں مقیم ہو، جس میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہو، اور جمعہ کی نماز قائم ہوجائے، اور وہ وہاں پر موجود ہو، تو کیا اس پر عدمِ حرج کی وجہ سے جمعہ واجب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

اور مصنف نے حرّیت کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ مکاتب اور ماذون اور اس غلام پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، جو اپنے آقا کے ساتھ جامع مسجد کے دروازہ پر سواری محفوظ کرنے کے لیے موجود ہو، اور سواری کی حفاظت میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہو، اور اس غلام پر بھی جمعہ واجب نہیں ہوگا، جو متعین مال کی ادائیگی میں مصروف ہے، کیونکہ حرّیت کی شرط نہیں پائی جاتی، لیکن کیا غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے، تو ''التجنیس'' میں یہ بات مذکور

ہے کہ اگر غلام جمعہ یا عیدین کے لیے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جائے، تو اگر اس کے آقا کو اس کا علم ہو، اور وہ اس پر راضی ہو، تو جائز ہے، ورنہ آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کے آقا کا حق ہے، اور اگر اس کا آقا اس کو جمعہ کے لیے جاتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہے، تو بھی اس کو جمعہ پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے، کیونکہ آقا کا اس کو نمازِ جمعہ کے لیے جاتے ہوئے خاموش رہنا، اس کی رضامندی کے درجہ میں ہے۔

اور ''السراجُ الوھاج'' میں ہے کہ اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ پڑھنے کی اجازت دے دے، تو اس پر جمعہ واجب ہوجاتا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اس کو اختیار ہوتا ہے، اور مکاتب اور کچھ آزادشدہ غلام پر جمعہ کا وجوب صحیح ہے، لیکن اس میں جو شبہ ہے، وہ مخفی نہیں، اسی وجہ سے ''الظھیریۃ'' میں یقین کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جس غلام کو اس کا آقا جمعہ کی اجازت دیدے، تو اس کو جمعہ کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اس پر جمعہ پھر بھی واجب نہیں ہوگا، اور یہی بات قواعد کے زیادہ لائق ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى تصلى فيه الجمعة، وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أو لا ....

وأشار المصنف باشتراط الحرية إلى عدم وجوبها على المكاتب والمأذون والعبد الذى حضر مع مولاه باب المسجد لحفظ الدابة، ولم يخل بالحفظ والعبد الذى يؤدى الضريبة لفقد الشرط لكن هل له صلاتها بغير إذن المولى قال فى التجنيس وإذا أراد العبد أن يخرج إلى الجمعة أو إلى العيدين بغير إذن مولاه إن كان يعلم أن مولاه يرضى بذلك جاز وإلا فلا يحل له الخروج بغير إذنه؛ لأن الحق له فى ذلك، ولو رآه فسكت حل له الخروج إليها؛ لأن السكوت بمنزلة الرضى.

وعن محمد فى العبد يسوق دابة مولاه إلى الجامع فإنه يشتغل بالحفظ، ولا يصلى الجمعة؛ لأنه لم يوجد الرضا بأداء الجمعة والأصح أن له ذلك إذا كان لا يخل بحق المولى فى إمساك دابته اهـ.

وفى السراج الوهاج، فإن أذن للعبد مولاه وجب عليه الحضور وقال بعضهم يتخير.

وصحح الوجوب على المكاتب ومعتق البعض، ولا يخفى ما فيه وجزم فى الظهيرية فى العبد الذى أذن له مولاه بالتخيير، وهو أليق بالقواعد(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٢، ص ١٦٣، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

نابینا کو فقہائے کرام نے معذور کی فہرست میں داخل مانا ہے، البتہ اگر اس کو قائد میسر ہو، تو اس میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین وغیرہ کا اختلاف ہے، جو دراصل قدرت للغیر کی وجہ سے قادر شمار ہونے، نہ ہونے کے اصول پر مبنی ہے، جس کا مآل پھر وہی معذور ہونا، نہ ہونا ہے۔ [1]

اور اگر نابینا شخص جامع مسجد کے دروازے پر موجود ہو، تو اس پر جمعہ واجب ہونے نہ ہونے کے مسئلہ کو علامہ ابنِ نجیم نے نہیں دیکھا۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم معذور کے جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں موجود ہونے پر جمعہ کو علی الاطلاق واجب قرار دے رہے ہیں، اور اوپر سے اس کو بدیہی بھی فرمارہے ہیں۔

اگر مسئلہ اتنا بدیہی تھا، تو وہ بداہت علامہ ابنِ نجیم پر کیسے مخفی رہ گئی؟ یہ بات قابلِ توجہ ہے۔

لیکن علامہ ابنِ نجیم نے اس کی علتِ وجوب کی طرف اشارہ ضرور فرمادیا، جس سے اصولی طور پر یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس کو جمعہ کے قیام وادائیگی میں حرج لازم آتا ہے، تو جمعہ واجب نہیں ہوگا، ورنہ جمعہ واجب ہوگا۔

اس سلسلہ میں نابینا کی اپنی کیفیت اور قیامِ جمعہ والی جگہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق واقع ہوسکتا ہے۔

لیکن بہرحال بنیاد پھر بھی وہی اصول ہوگا، جس کا ہم ذکر کرآئے ہیں کہ جامع مسجد کے دروازہ پر محض موجود ہونا کافی نہیں، بلکہ قیامِ جمعہ وادائیگیِ جمعہ میں حرج ومشقتِ غیر عادیہ کا

---

[1] واختلفوا فی الأعمی قال أبو حنیفة :لا تجب علیه .وقالا :تجب إذا وجد قائدا لأنه یصیر قادرا علی السعی فصار کالضال وله أنه عاجز بنفسه کالمریض فلا یصیر قادرا بغیره، فإن القائد قد یترکه فی الطریق (الاختیار لتعلیل المختار، ج ا، ص ۸۲، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(وإن) وصلیة (وجد قائدا) عند الإمام لأنه عاجز بنفسه فلا یعتبر قادرا بغیره (خلافا لهما) لأن الأعمی بواسطة القائد قادر علی السعی وکذا عند الأئمة الثلاثة.

(وکذا الخلاف فی الحج) لکن قال أبو اللیث فی العیون روی الحسن عن الإمام أن علی الأعمی الجمعة والحج إذا کان له قائد أو له مال یبلغ به الحج ومن یحج معه.

وفی الخانیة الأعمی إذا وجد قائدا یلزمه الجمعة کالصحیح الضال إذا وجد دالا (مجمع الانهر، ج ا، ص ۱۶۹، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

پایا جانا، یا نہ پایا جانا ہے، ہم اسی بنیاد پر مسئلہ کے مدار ہونے کی وضاحت کر آئے ہیں، اور مذکورہ عبارت میں مندرجہ مزید باتوں پر کلام آگے آتا ہے۔

اس کے بعد علامہ ابنِ عابدین شامی کی ''ردُّ المحتار'' سے بھی نابینا کے متعلق ایک وضاحت موصول ہوئی۔

چنانچہ انہوں نے علامہ ابنِ نجیم کے اس کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''بعض علماء نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ پاک صاف ہو، اور اسے پاکی حاصل کرنے کے لیے کہیں جانا نہ پڑے، تو جمعہ واجب ہو جائے گا۔

بلکہ بعض نابینا، ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر راستوں سے متعارف ہونے کی وجہ سے بلاتکلف چلتے پھرتے ہیں، اور کسی سے معلوم کیے بغیر، جس مسجد میں چاہتے ہیں، چلے جاتے ہیں، اس صورت میں وہ نابینا، جمعہ پر خود سے قادر مریض کی طرح کا شمار ہوگا، لیکن بعض اوقات ایسے نابینا کے مقابلے میں دوسرے مریض کو زیادہ مشقت پیش آتی ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

علامہ شامی کی وضاحت سے ظاہر ہوا کہ بعض حسّی وظاہری معذور ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر دور رہ کر بھی جمعہ واجب ہوسکتا ہے، اور بعض پر قریب رہتے ہوئے بھی واجب نہیں ہوتا۔

جس کی بنیاد، اسی حرج ومشقتِ غیر عادیہ کے ہونے، نہ ہونے پر ہے۔

البتہ علامہ رافعی نے فرمایا کہ ''اعمیٰ مذکور'' پر جمعہ واجب نہیں، اگر چہ وہ جانے پر قادر ہو، کیونکہ ''اعمیٰ'' ہونا عذر کی علت ہے، جس کا ہر فرد میں تحقق ضروری نہیں، اغلب افراد

---

[1] (قوله فتجب على الأعور) وكذا ضعيف البصر فيما يظهر أما الأعمى فلا، وإن قدر على قائد متبرع أو بأجرة وعندهما إن قدر على ذلک تجب وتوقف فى البحر فيما لو أقيمت وهو حاضر فى المسجد.

وأجاب بعض العلماء بأنه إن كان متطهرا فالظاهر الوجوب لأن العلة الحرج، وهو منتف.

وأقول: بل يظهر لى وجوبها على بعض العميان الذى يمشى فى الأسواق ويعرف الطرق بلا قائد، ولا كلفة ويعرف أى مسجد أراده بلا سؤال أحد؛ لأنه حينئذ كالمريض القادر على الخروج بنفسه بل ربما تلحقه مشقة أكثر من هذا تأمل (ردّ المحتار، ج۲، ص ۱۵۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

میں کافی ہے۔ [1]

”البحرُ الرائق“ کا ایک اور حوالہ

”البحرُ الرائق“ میں ایک مقام پر ہے کہ:

”اس تفصیل سے ”السراجُ الوھاج “میں مذکور اس بات کی تردید ہوگئی کہ غلام کو جب اس کا مولیٰ اجازت دیدے، تو اس پر عید کی نماز واجب ہوجاتی ہے، لیکن اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ جمعہ کا بدل نمازِ ظہر کی شکل میں موجود ہے، اور عید کا معاملہ اس طرح نہیں، کیونکہ اس کا کوئی بدل نہیں۔

”السراجُ الوھاج “ کی بات کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آقا کی اجازت دینے سے غلام کے منافع اس کے مملوک نہیں ہوجاتے، پس غلام کی حالت اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی ویسی ہی رہتی ہے، جیسا کہ اجازت حاصل ہونے سے پہلے تھی“۔ انتھی۔ [2]

”منحةُ الخالق“ کا حوالہ

”منحةُ الخالق“ میں ہے کہ:

”علامہ ابنِ نجیم کی مذکورہ عبارت سے ”السراجُ الوھاج“ کی بات کا رَد ہوجاتا ہے، لہٰذا غلام پر عید کی نماز بھی واجب نہیں ہوگی، اگرچہ اس کا آقا اس کو اجازت

---

[1] الظاهر عدم وجوبها على الاعمى المذكور، وان لم توجد العلة المذكورة ، فان العلة انما تراعى فى اغلب الافراد، لا فى كل فرد، كما فى فطر المسافر وصلاة السفينة ، قاعدا، تأمل(تقريراتِ رافعى، ص ۱۱۲ ، باب الجمعة)

[2] وبه اندفع ما فى السراج الوهاج من أن المملوك تجب عليه العيد إذا أذن له مولاه، ولا تجب عليه الجمعة؛ لأن الجمعة لها بدل، وهو الظهر، وليس كذلك العيد فإنه لا بدل له؛ لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲، ص ۱۷۱ ،باب العيدين)

www.idaraghufran.org

دے دے، جیسا کہ اس پر جمعہ واجب نہیں ہوگا‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

’’ردُّ المحتار‘‘ کا حوالہ

’’ردُّ المحتار‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ کی اجازت دیدے، تو اس پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ بحر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اور بحر میں جمعہ کا اختیار حاصل ہونے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ’’الظھیریۃ‘‘ میں اس پر یقین ظاہر کیا ہے، اور قواعد کے زیادہ لائق بھی یہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی کی تائید ’’الجوھرۃ‘‘ میں بیان کردہ مسئلہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں جزم کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ غلام پر جمعہ کی طرح عید کی نماز کا واجب نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے، کیونکہ غلام کے منافع اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی اس کے مملوک نہیں ہوتے، لہٰذا غلام کو جمعہ وعیدین کی اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی اس کی حالت پہلے کی طرح ہی برقرار رہتی ہے، اور اس کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ اگر غلام کو اس کا آقا حج کی اجازت دیدے، تو اس سے ’’حجۃُ الاسلام‘‘ یعنی حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا، اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ جب اس پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، تو آقا کی اجازت کے بعد اس کو اختیار ہوگا، کیونکہ عدمِ وجوب کا نتیجہ یہی ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [2]

---

[1] (قوله وبه اندفع ما في السراج) أى بما أفاده المصنف أن جميع شرائط الجمعة وجوبا وصحة شرائط للعيد ومن جملتها الحرية فلا تجب العيد أيضا، وإن أذن له كالجمعة لكن قد نقل في الجمعة عن السراج أن الجمعة تجب عليه وقال بعضهم يتخير (منحة الخالق،على البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص ۱۷۱،باب العيدين)

[2] (قوله :ولو أذن له مولاه) أى بالصلاة وليس المراد المأذون بالتجارة فإنه لا يجب عليه اتفاقا كما يعلم من عبارة البحر ح (قوله ورجح في البحر التخيير) أى بأنه جزم به في الظهيرية وبأنه أليق بالقواعد .اهـ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

’’ردُّ المحتار‘‘ کا ایک اور حوالہ

’’ردُّ المحتار‘‘ میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

’’الجوھرۃ‘‘ میں یہ بات مذکور ہے کہ مناسب بات یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بعد غلام پر نہ تو جمعہ واجب ہوگا، اور نہ ہی عید واجب ہوگی، کیونکہ غلام کے منافع اجازت کے بعد بھی اس کے مملوک نہیں بنتے، اور البحر میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

’’الجوھرۃُ النیرۃ‘‘ کا حوالہ

’’الجوھرۃُ النیرۃ‘‘ میں بھی وہی بات مذکور ہے، جس کا پیچھے کئی مرتبہ حوالہ گزرا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :ویؤیده أنه فی الجوهرة أعاد المسألة فی الباب الآتی وجزم بعدم وجوبها علیه حیث ذکر أن من لا تجب علیه الجمعة لا تجب علیه العید إلا المملوک فإنها تجب علیه إذا أذن له مولاه لا الجمعة لأن لها بدلا یقوم مقامها فی حقه، وهو الظهر بخلاف العید ثم قال :وینبغی أن لا تجب علیه کالجمعة لأن منافعه لا تصیر مملوکة له بالإذن فحاله بعده کحاله قبله؛ ألا ترى أنه لو حج بالإذن لا تسقط عنه حجة الإسلام اهـ ولا یخفى أنه إذا لم تجب علیه یخیر لأنه فرع عدم الوجوب، وفی البحر أیضا :وهل یحل له الخروج إلیها أو إلى العیدین بلا إذن مولاه؟ ففی التجنیس إن علم رضاه أو رآه فسکت حل وکذا إذا کان یمسک دابة المولى عند الجامع ولا یخل بحقه فی الإمساک له ذلک فی الأصح(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۱۵۴،باب الجمعة)

[1] واستثنى فی الجوهرة من الأول المملوک إذا أذن له مولاه فإنه تلزمه العید بخلاف الجمعة لأن لها بدلا وهو الظهر، وقال :وینبغی أن لا تجب علیه العید أیضا لأن منافعه لا تصیر مملوکة له بالأذان .اهـ .وجزم به فی البحر(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۱۶۶،باب العیدین)

[2] ومن لا تجب علیه الجمعة لا تجب علیه صلاة العید إلا المملوک فإنها تجب علیه إذا أذن له مولاه ولا تجب علیه الجمعة فإن الجمعة لها بدل وهو الظهر والظهر یقوم مقامها فی حقه ولیس کذلک العید فإنه لا بدل له وینبغی أیضا أن لا یجب علیه العید کما لا تجب علیه الجمعة؛ لأن منافعه لا تصیر مملوکة له بالإذن فحاله بعد الإذن کحاله قبله ألا ترى أنه لو حج بإذن المولى لا تسقط عنه حجة الإسلام لهذا المعنى(الجوهرة النیرة، ج۱،ص ۹۳،باب صلاة العیدین)

”حاشیۃُ الشلبی علٰی تبیین الحقائق“ کا حوالہ

”حاشیۃُ الشلبی علٰی تبیین الحقائق“ میں ہے کہ:

”اگر غلام اپنے آقا کے ساتھ جامع، یا عیدگاہ میں حاضر ہو، تاکہ وہ دروازے پر اپنے آقا کی سواری کی حفاظت کرے، تو کیا اس کو آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے، تو اصح یہ ہے کہ اگر اس کے آقا کی سواری کی حفاظت میں کوئی خلل واقع نہ ہو، تو اس کو آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے (واجب نہیں)“۔ انتھٰی۔ [1]

”النہرُ الفائق“ کا حوالہ

”النہرُ الفائق“ میں ہے کہ:

”مصنف کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ غلام پر عید کی نماز واجب نہیں ہوگی، اگرچہ اس کا آقا اجازت کیوں نہ دیدے، کیونکہ اس کے منافع اس کے مملوک نہیں ہوجاتے، اجازت کے بعد بھی اس کی حالت پہلے کی طرح رہتی ہے، المعراج وغیرہ میں اسی طرح سے ہے، لیکن ”السراجُ الوھاج“ میں عید کی نماز کے وجوب پر یقین ظاہر کیا گیا ہے، اور ”الظھیریۃ“ میں اجازت ملنے کے بعد ایک قول تخلف کے مکروہ ہونے کا، اور دوسرا قول مکروہ نہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے، جب وہ اپنے آقا کے ساتھ حاضر ہو، بشرطیکہ آقا کے مال کی حفاظت میں کوئی خلل واقع نہ

---

[1] قولہ والعبد الذی حضر باب الجامع) اختلف المشایخ فی العبد إذا حضر مع مولاہ الجمعة أو مصلی العید لیحفظ دابته علی باب الجامع أو فی المصلی ھل له أن یصلی الجمعة والعید بغیر إذن المولی قال -رحمه الله- الأصح أن له أن یصلی بغیر إذن المولی إذا کان لا یخل بحق مولاہ فی إمساک دابته وروی عن محمد أن له أن لا یصلی، وإن تمکن من ذلک وأذن له السید فی أدائھا. اھـ. ذخیرة (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۲۲۲، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

ہو، اور بظاہر مکروہ کے قول سے ''تحریمی ہونا'' مراد ہے ''۔ انتہٰی۔ [1]

''غمزُ عیونِ البصائر'' کا حوالہ

''غمزُ عیونِ البصائر'' میں بھی اسی قول کی ترجیح نقل کی گئی ہے، جس کا پہلے بار بار ذکر گزرا۔ [2]

مذکورہ عبارات سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ غلام کا جمعہ والی جگہ میں محض موجود ہونا، جمعہ کے وجوب کا سبب نہیں، اور غلام کا جمعہ کے معذورین میں داخل ہونا بدیہی ہے۔

اب مذکورہ صاحبِ علم ہمیں بتلائیں کہ ان فقہائے کرام کی تصریحات کے مقابلے میں وہ کون سا بدیہی امر ہے، جو ان کو تو نظر آ گیا، لیکن مذکورہ فقہائے کرام کو مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بھی نظر نہ آیا۔

---

[1] واقتضى كلامه أنها لا تجب على العبد، وإن أذن له مولاه لأن منافعه لا تصير مملوكة فحاله بعده كحاله قبله كذا فى (المعراج) وغيره، وجزم فى (السراج) بالوجوب وفى (الظهيرية) قيل: يكره له التخلف مع الأذن، وقيل :لا والأصح أن له أن يصليها بلا إذن إذا حضر مع مولاه حيث لم يخل بحفظ ماله وظاهره أن الكراهة تحريمية(النهر الفائق ،ج ا ،ص ٣٦٦،باب صلاة العيدين)

[2] قوله لا جمعة عليه ولا عيد إلخ .

أطلق فى عدم وجوب الجمعة على العبد فشمل ما إذا أذن له سيده أو لا وفى السراج إن أذن له مولاه يجب عليه الحضور .

وقال بعضهم يخير .

هكذا ذكر فى باب صلاة الجمعة وذكر فى باب صلاة العيد ما يخالف هذا فقال بعدم الوجوب وإن أذن له مولاه ونص عبارته وتجب أى صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة إلى أن قال ومن لا تجب عليه الجمعة لا تجب عليه صلاة العيد إلا المملوك فإنه يجب عليه العيد إذا أذن له مولاه ولا تجب عليه الجمعة لأن لها بدلا وهو الظهر وهو يقوم مقامها فى حقه وليس كذلك العيد فإنه لا بدل له وينبغى أن لا يجب عليه العيد كما لا تجب عليه الجمعة لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله ألا ترى أنه لو حج بإذن المولى لا تسقط عنه حجة الإسلام لهذا المعنى وكذا لو كفر العبد بالمال لا يجوز ولو أذن له المولى لأنه بالإذن لا يملك المال انتهى(غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج٣،ص ٣٣٥، الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، احكام العبيد)

اور انہوں نے بالآخر عدمِ وجوبِ جمعہ کے راجح ہونے پر ہی اطمینان کا اظہار فرمایا، ان کو غلام کے لیے آقا کی اجازت ملنے اور جامع مسجد حاضر ہونے پر جمعہ کے وجوب پر اطمینان و رجحان نہ ہوا، یہاں تک کہ نمازِ عید، جس کا بدل نہیں، اور اس کے وجوب کا درجہ نمازِ جمعہ سے بھی کم ہے، اس کے متعلق بھی انہوں نے عدمِ وجوب کو راجح ٹھہرایا۔

ہمارے نزدیک مذکورہ فقہائے کرام کا یہ رجحان دراصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے ''کتابُ الاصل'' میں مذکور، امام ابوحنیفہ کے اس اصولی موقف ہی پر متفرع ہے، جس کو ہم مع توضیح کے پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اور اس بحث کا حاصل اور لبِ لباب یہی ہے کہ جب تک کوئی معذور کی صفت کے ساتھ متصف ہے، اس صفت کے ساتھ ہوتے ہوئے، اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا، الَّا یہ کہ وہ خود نمازِ جمعہ میں شریک ہوجائے، پھر اس پر امام کی اتباع کی وجہ سے جمعہ واجب ہوجاتا ہے۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم، محض جمعہ والے مقام کے قریب ہونے کو ''عدمِ عذر'' کی دلیل اور بدیہی دلیل سمجھ رہے ہیں۔

کیا مذکورہ فقہائے کرام کی تصریحات کو نظر انداز کر کے ایسے شخص کے قول کو راجح قرار دیا جاسکتا ہے، جس کو واضح بداہت کی حقیقت سے بھی واقفیت نہ ہو۔

''سعی الی الجمعة'' سے بطلانِ ظہر کا مسئلہ

اس موقع پر ایک اور پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نمازِ ظہر اداء کر لینے کے بعد نمازِ جمعہ کی سعی سے ظہر باطل ہوجاتی ہے، برخلاف امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے۔ اس ضمن میں بھی سعی کی بعض صورتوں کا فقہائے کرام نے ذکر فرمایا ہے، اور اس سے سعی کی بعض نادر ونایاب صورتوں پر روشنی پڑتی ہے، اور مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے معذور کی چھیڑی ہوئی بحث کی بھی مزید

وضاحت ہوتی ہے، اس لیے افادۂ مزیدہ کے طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

''البحرُ الرائق''میں ہے کہ:

''اگر کسی نے ظہر کی نماز ادا کر کے، جمعہ کی سعی کی، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اس کی نمازِ ظہر باطل ہو جائے گی، اور صاحبین کے نزدیک نمازِ جمعہ میں شریک ہونے سے پہلے، ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

اور جمعہ کی نماز کے لیے جانا، یا اس کی طرف متوجہ ہونا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی سعی میں داخل ہے''۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (قوله :فإن سعى إليها بطل) أى الظهر المؤدى عند أبى حنيفة بمجرد السعى إليها؛ لأنه مأمور بعد صلاة الظهر ينقضها بالذهاب إلى الجمعة فالذهاب إليها شروع فى طريق نقضها المأمور به فيحكم بنقضها به احتياطا لترك المعصية وقالا لا تبطل حتى يدخل مع الإمام واختلفوا فى معنى السعى إليها والمختار أنه الانفصال عن داره حتى لا يبطل قبله على المختار؛ لأن السعى الرافض لها هو السعى إليها على الخصوص ومثل ذلک السعى إنما يكون بعد خروجه من باب داره والمراد من السعى المشى لا الإسراع فيه، وإنما عبروا به اتباعا للآية وقيد بقوله سعى؛ لأنه لو كان جالسا فى المسجد بعدما صلى الظهر فإنه لا يبطل حتى يشرع مع الإمام اتفاقا كذا فى الحقائق.
وقيد بقوله إليها؛ لأنه لو خرج لحاجة أو خرج، وقد فرغ الإمام لم يبطل ظهره إجماعا فالبطلان به مقيد بما إذا كان يرجو إدراكها بأن خرج والإمام فيها أو لم يكن شرع وأطلق فشمل ما إذا لم يدركها لبعد المسافة مع كون الإمام فيها وقت الخروج أو لم يكن شرع، وهو قول البلخيين قال فى السراج الوهاج، وهو الصحيح؛ لأنه توجه إليها وهى لم تفت بعد حتى لو كان بيته قريبا من المسجد وسمع الجماعة فى الركعة الثانية وتوجه بعدما صلى الظهر فى منزله بطل الظهر على الأصح أيضا لما ذكرنا، وفى النهاية إذا توجه إليها قبل أن يصليها الإمام ثم إن الإمام لم يصلها لعذر أو لغيره اختلفوا فى بطلان ظهره والصحيح أنها لا تبطل، وكذا لو توجه إليها والإمام والناس فيها إلا أنهم خرجوا منها قبل إتمامها لنائبة فالصحيح أنه لا يبطل ظهره، ثم اعلم أن الضمير المستتر فى قوله سعى يعود إلى مصلى الظهر لا إلى من لا عذر له ليكون أفيد وأشمل فإنه لا فرق بين المعذور وغيره فى بطلان ظهره بسعيه كما فى غاية البيان والسراج الوهاج لكن التعليل المذكور أولا لا يشمله؛ لأن المعذور ليس بمأمور بالسعى إليها مطلقا فكيف يبطل به فينبغى أن لا يبطل الظهر بالسعى، ولا بشروعه فى صلاة الجمعة؛ لأن الفرض قد سقط عنه، ولم يكن مأمورا بنقضه فتكون الجمعة نفلا منه كما قال به زفر والشافعي .وظاهر ما فى المحيط أن ظهره إنما يبطل بحضوره الجمعة لا بمجرد سعيه كما فى غير المعذور وهو أخف إشكالا وأسند المصنف البطلان إلى الظهر ليفيد أن أصل الصلاة لم يبطل فينقلب نفلا كما فى السراج الوهاج وذكر فى الظهيرية والخلاصة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی طرف متوجہ ہونے کی ادنیٰ صورت کو بھی ''سعی'' میں داخل مانا گیا ہے، اور ہم بھی کلامِ الٰہی میں مذکور معجزانہ ''سعی الی الجمعۃ '' کی جامعیت کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔

''رَدُّ المحتار ''میں ہے کہ:

''ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، جمعہ کی سعی کرنے سے ظہر کی نماز باطل ہونے میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں۔

البتہ بعض حضرات نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک معذور کی ظہر، اس وقت تک باطل نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ جمعہ کو شروع نہ کرے، کیونکہ اس سے پہلے وہ جمعہ کی سعی کا مکلّف نہیں ہوتا۔

لیکن دیگر حضرات نے فرمایا کہ اس کی ظہر باطل ہوجائے گی، اس لیے کہ وہ جمعہ کی سعی کا مکلّف نہیں تھا، لیکن اس نے خود سعی کرکے، اس رخصت کو ترک کرکے، عزیمت کو اختیار کرلیا، تو اس کی ظہر باطل ہوگئی''۔ انتھٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرستاقی إذا سعی یوم الجمعة إلی مصر یرید به إقامة الجمعة وإقامة حوائج نفسه فی المصر ومعظم مقصوده إقامة الجمعة ینال ثواب السعی إلی الجمعة، وإن کان قصده إقامة الحوائج لا غیر أو کان معظم مقصودة إقامة الحوائج لا ینال ثواب السعی إلی الجمعة اهـ.

وبهذا یعلم أن من شرک فی عبادته فإن العبرة للأغلب وقید بسعی المصلی؛ لأن المأموم لو لم یسع إلیها وسعی إمامه فإنه لا یبطل ظهر المأموم، وإن بطل ظهر إمامه؛ لأن بطلانه فی حق الإمام بعد الفراغ فلا یضر المأموم کما صرح به فی المحیط(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص۱۶۵ و ۱۶۶ ،باب صلاة الجمعة)

[1] (قوله :بلا فرق بین معذور وغیره) قال فی الجوهرة والعبد والمریض والمسافر وغیرهم سواء فی الانتقاض بالسعی اهـ.

وعزاه فی البحر إلی غایة البیان والسراج ثم استشکله بأن المعذور لیس بمأمور بالسعی إلیها مطلقا فینبغی أن لا یبطل ظهره بالسعی ولا بالشروع فی الجمعة لأن الفرض سقط عنه، ولم یکن مأمورا بنقضه فتکون الجمعة نفلا کما قال به زفر والشافعی .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

معلوم ہوا کہ ''سعی الی الجمعة ''جس طرح غیر معذور سے متحقق ہوسکتی ہے، اسی طرح معذور سے بھی متحقق ہوسکتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ معذور پر سعی واجب نہیں۔

لیکن بہرحال متحقق ہوسکتی ہے، اور اس کے متحقق ہونے کا اثر اس کی نمازِ ظہر کے بطلان، تک متعدی ہوسکتا ہے، عند الامام أبی حنیفة رحمه الله۔

اور ''حاشية الشرنبلالی ''میں ہے کہ:

''ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی محض سعی کرنے سے، ظہر باطل ہوجائے گی، اور گھر سے نکلنا بھی سعی میں معتبر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک وسیع گھر میں، ایک دوقدم نہیں چلے گا، اس وقت تک، اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں ''محض خروج عن الدار ''کو اور ایک قول کے مطابق، وسیع گھر میں ایک دوقدم چلنے کو بھی سعی میں داخل مانا گیا ہے۔

اور یہ بھی اس صورت میں ہے، جبکہ جمعہ قائم ہونے والا مقام، گھر سے خارج ہو، ورنہ جمعہ کے قیام والی جگہ میں موجود شخص کی سعی اس سے بھی ادنیٰ، بلکہ بہت ادنیٰ ہوسکتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال وظاهر ما فی المحيط أن ظهره إنما يبطل بحضوره الجمعة لا بمجرد سعيه كما فی غير المعذور وهو أخف إشكالا .اهـ.

قلت :ويجاب عنه بما فی الزيلعي والفتح أنه إنما رخص له تركها للعذر وبالالتزام التحق بالصحيح (قوله على المذهب) عبارة شرح المنية هو الصحيح من المذهب ثم قال خلافا لزفر هو يقول إن فرضه الظهر، وقد أداه فی وقته فلا يبطل بغيره ولنا أن المعذور إنما فارق غيره فی الترخص بترک السعی فإذا لم يترخص التحق بغيره اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۱۵۶ ،باب باب الجمعة)

[1] (قوله بطل ظهره بمجرد سعيه) أقول والمعتبر فی السعی الانفصال عن داره فلا تبطل قبله على المختار، وقيل إذا خطا خطوتين فی البيت الواسع يبطل، كذا فی الفتح.

(قوله وله أن السعی إلى الجمعة . . .إلخ) أقول لا فرق على هذا الخلاف بين المعذور كالعبد وغيره حتى لو صلى المريض الظهر ثم سعى إلى الجمعة بطل ظهره على الخلاف خلافا لزفر كما فی الفتح والتبيين(حاشية الشرنبلالی علٰی دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۳۹ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، شروط الجمعة)

اور ’’حلبی کبیر‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر معذور نے، ظہر کی نماز پڑھ کر، جمعہ کی سعی کی، تو اس وجہ کی بناء پر تو اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی کہ اس نے کوئی معصیت کا فعل نہیں کیا، لیکن اس وجہ کی بناء پر باطل ہوجائے گی کہ اس کا جمعہ کی سعی کرنا، جمعہ میں مشغول ہونے کی طرح ہے۔

اور اگر کوئی جامع مسجد میں موجود ہو، پھر اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے خطبہ سن لیا، پھر اس نے کھڑے ہوکر ظہر کی نماز پڑھ لی، تو اس کی ظہر کی نماز جائز ہے، اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ اپنے گھر سے ظہر پڑھ کر نکلا، لیکن جمعہ کے قصد سے نہیں نکلا۔

اور اس تعلیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک جمعہ شروع نہ کیا ہو‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جمعہ پڑھے جانے والی جگہ میں موجود ہو، اور وہ خطبہ بھی سن لے، تو وہ جمعہ کی سعی میں داخل نہیں، اسی لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ظہر باطل نہیں ہوتی، اور ایسی صورت میں اگر وہ ظہر بھی پڑھے، تو اس کی ظہر معتبر ہوجاتی ہے، الَّا یہ کہ جمعہ کی نماز میں شرکت کرے۔

اس طرح کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محض جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں موجود ہونا، بلکہ

---

[1] ولو كان من صلى الظهر معذورا كالمسافر ونحوه فسعى إليها، لا يبطل ظهره بالسعى اتفاقا،علىٰ هذا التوجيه الثاني، لكون فعله غير معصية ، وعلى التوجيه الاول (أى لكون الاشتغال بالسعى كالاشتغال بها ، فينتقض به، ماينتقض بها) لا فرق بينه وبين غير المعذور، وهو الصحيح من المذهب.

ولو كان فى الجامع فسمع الخطبة ،ثم قام فصلى الظهر ،جاز ظهره ،ولا ينتقض، ذكره قاضى خان،لانه لم يرغب فى الجمعة ، فصار كما لو خرج من بيته ، ويسعى ، لايقصدها، كذا ذكره السروجى، ويظهر من التعليل ان المراد اذا لم يشرع بعد ذلك فى الجمعة، اما لو شرع فيها ،فينبغى أن ينتقض ظهره ، فان ادركها المعذور، بعد ماصلى الظهر ، وشرع فيها ، بطلت ظهره عندنا، خلافا لزفر...... ولنا ان المعذور انما فارق غيره فى الترخص بترك السعى،فاذا لم يترخص التحق بغيره (حلبى كبير،صفحه ٥٦٣، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، مطبوعة، سهيل اكادمى، لاهور، الباكستان)

خطبۂ جمعہ کا محض سماعت کرلینا بھی نہ تو بذاتِ خود جمعہ کی سعی میں داخل ہے، اور نہ ہی وجوبِ جمعہ کا سبب ہے۔

پس اگر گھر یا ہسپتال وغیرہ میں جمعہ قائم کیا جارہا ہے، اور کچھ مریضوں، یا معذوروں تک اذان یا خطبہ کی آواز پہنچ رہی ہے، بلکہ وہ خطبہ بھی سن رہے ہیں، تو محض اس وجہ سے، ان پر جمعہ واجب نہ ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ قریب مسجد سے دی جانے والی اذان، یا خطبہ کی آواز کسی مریض ومعذور کے کانوں میں پڑرہی ہو۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم، معذور کے قریب جمعہ کے قیام کو بذاتِ خود، وجوبِ جمعہ کا سبب ٹھہرارہے ہیں، اور مزید یہ کہ اس کو بدیہی بھی قرار دے رہے ہیں۔

کیا وہ اس موقع پر اس بات کا جواب دینے کی زحمت فرمائیں گے کہ آج کل بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں کی عمارات کے اندر، موجود مسجد، یا جائے نمازوں میں جو جمعہ کی نمازیں، جگہ جگہ قائم ہوتی ہیں، وہاں اس کی وجہ سے ہسپتال کے تمام مریضوں پر جمعہ فرض، یا واجب ہوجاتا ہے؟

یا پھر ان کو دنیا بھر کے ہسپتال اور لاکھوں مریض چھوڑ کر، گھر میں موجود صرف چند مریض ہی ایسے نظر آتے ہیں کہ جن پر نرالے انداز میں جمعہ واجب ہوگا، اور پھر ان کے جمعہ اداء کرنے سے، ان پر کوئی بھاری بھرکم، یا ناقابلِ برداشت بوجھ پڑ جائے گا۔

یا پھر ان کو ہسپتالوں میں تو تمام مریض نظر آتے ہیں، اور گھر میں اتفاق، یا حسنِ اتفاق سے، یا فرضی طور پر چند مریض ہی ''متمرض'' نظر آتے ہیں، جن کی گردنوں پر یا تو جمعہ کا بھاری بھرکم بوجھ لادنا پڑے گا، یا کسی طرح گھروں سے نمازِ جمعہ کے قیام کا صفایا کرنا پڑے گا۔

اس قسم کے اجتہاد سے خود مذکورہ صاحبِ علم کو نہ سہی، لیکن دیگر قارئین کو تو یہ اندازہ ضرور ہوجائے گا کہ وہ اس اجتہاد پر کس قدر شاباش اور داد کے مستحق ہیں۔

''حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح'' میں ہے کہ:

”اگر کوئی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا، تو اس کی ظہر اس وقت تک باطل نہیں ہوگی، جب تک وہ امام کے ساتھ جمعہ میں شریک نہ ہو جائے، اور اس بات پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے“۔ انتہٰی۔ [1]

اور ”تبیینُ الحقائق“ میں ہے کہ:

”اگر کسی نے جامع مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی، اور امام کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھا، تو اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی“۔ انتہٰی۔ [2]

اور ”النہرُ الفائق“ میں ہے کہ:

”اگر مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، تو اس کی ظہر، جمعہ شروع کرنے سے پہلے بالاتفاق باطل نہیں ہوگی“۔ انتہٰی۔ [3]

مذکورہ جزئیات سے ہمارے بیان کردہ مدعا پر مزید روشنی پڑ گئی، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ”کتابُ الاصل“ میں بیان کردہ مسئلہ، اور اس کے متعلق ہماری اس موقع پر بیان کردہ توضیح کی بھی تائید ہوگئی، پس اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

---

[1] قوله" :فإن سعى إليها الخ "قيد بالسعى لأنه لو كان جالسا فى المسجد بعدما صلى الظهر لا تبطل حتى يشرع مع الإمام بالاتفاق كما فى البحر عن الحقائق لأنه إذا لم يشرع معه تبين أنه لم يرغب فى الجمعة تبيين وقيد باليها لأنه لو سعى إلى غيرها لا يبطل ظهره بالاتفاق كما فى غاية البيان قوله" :وكان الإمام فيها وقت انفصاله "أدركه فيها أو لم يدركه لبعد مسافة أن نحوه لأن الإدراك ممكن بتقدير الله تعالى عناية قال فى الفتح وهذا تخريج أهل بلخ عن الإمام وهو الأصح وعلى تخريج أهل العراق عنه لا يبطل إلا إذا كان لا يرجو إدراكها اهـ قوله" :وكذا المعذور "فلا فرق بينه وبين غيره فى أن السعى مبطل وإنما الفرق من جهة حرمة أداء الظهر قبلها أو عدمها(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۵۲۱،باب صلاة الجمعة)

[2] وبخلاف ما إذا صلى الظهر فى الجامع ولم يصل الجمعة مع الإمام حيث لا يبطل ظهره؛ لأنه لم يرغب فى الجمعة ولا فرق فى هذا بين المعذور وغيره حتى لو صلى المريض ونحوه الظهر فى منزله، ثم سعى إلى الجمعة بطل ظهره على الاختلاف الذى تقدم؛ لأنه بالالتزام يلتحق بالصحيح(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ۱،ص ۲۲۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[3] لو كان جالسًا فى المسجد لم تبطل إلا بالشروع اتفاقًا(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں کسی کا محض موجود ہو جانا، امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اتفاق سے، جمعہ واجب ہونے کا سبب نہیں، اور اسی وجہ سے کسی کے جمعہ والی جگہ موجود ہونے سے معذور پر بھی ظہر باطل ہو کر جمعہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں رخصتِ ظہر کو ترک کر کے عزیمتِ جمعہ کا التزام نہیں پایا جاتا، جو کہ سعی کی شکل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہر کو باطل کرنے کا سبب ہے، اور ان کے نزدیک سعی کرنا ایک توجیہ کے مطابق مشغول فی الجمعۃ ہونے کی طرح ہے، جبکہ صاحبین، جمعہ میں مشغول ہونے سے ہی ظہر باطل ہونے کے قائل ہیں۔

پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معذور پر جمعہ کا وجوب، یا تو جمعہ شروع کرنے سے ہوتا ہے، یا اس کے قائم مقام سے ہوتا ہے، جو کہ ''سعی الی الجمعة'' ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم، جو نہایت یقین اور بداہت کے ساتھ ہر معذور پر قیامِ جمعہ کے مقام پر موجود ہونے کی وجہ سے جمعہ واجب قرار دیتے ہیں، وہ ہمارے سامنے فقہائے کرام کی مذکورہ تصریحات کے مقابلے میں اپنے بدیہیات پیش فرما کر استفادہ کا موقع ضرور فراہم کریں گے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 2)

جمعہ کے لئے اِذنِ حاکم کی تحقیق

ہم نے اپنے دوسرے تفصیلی مضمون میں یہ بات واضح کردی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کا ملک ہو، تو مسلمان حاکمِ وقت، یا اس کے نائب ومجاز شخص نے وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، اور یہ اجازت جس طرح صراحتاً معتبر ہے، اسی طرح دلالتاً بھی معتبر ہے۔

اسی وجہ سے بعض حنفیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں حاکمِ وقت کو جمعہ کا قائم کرنا معلوم ہو، اور وہ اس پر سکوت وخاموشی اختیار کرے، اور منع نہ کرے، تو یہ بھی اس حاکم کی طرف سے دلالتاً اجازت سمجھا جاتا ہے۔

اور حنفیہ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ اگر کسی جگہ مسلمان حاکم، یا اس کا نائب موجود نہ ہو، تو وہاں کے لوگوں کو خود کسی امام کو مقرر کر کے جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے۔

جبکہ بعض حنفیہ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے اجازتِ حاکم کی شرط، فی نفسہٖ عبادتِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے ضروری نہیں، پنجگانہ نمازوں کی طرح، اور جمعہ، ظہر ہی کے قائم مقام، فرض عبادت ہے، اور اذنِ حاکم کی شرط اس مصلحت سے رکھی گئی تھی کہ جمعہ کی نماز ایک بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، جس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کا خوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر حاکم، یا اس کا نائب ونمائندہ موجود ہوگا، تو فتنہ کی روک تھام کرسکے گا اور انتظام درست رہے گا، ورنہ فی نفسہٖ یہ شرط جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا اگر کسی علاقے کے لوگ کسی امام کی اقتداء میں مل کر جمعہ کی نماز پڑھیں، اور اس قسم کا فتنہ لازم نہ آئے، تو وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور اس کو نہایت معقول توجیہ قرار دیا ہے۔

اور موجودہ دور میں جبکہ مسلمان بہت سے ایسے ملکوں میں بھی آباد ہیں کہ جہاں مسلم حکمرانوں کا وجود نہیں، اور جہاں مسلمانوں کے ممالک میں مسلم حکمران موجود ہیں، وہاں بھی بہت سے مقامات پر حکمرانوں کو اسلامی احکام سے وابستگی اور جمعہ کی نماز کے قیام اور اس کی اجازت دینے لینے سے دلچسپی، اور کوئی خاطر خواہ سروکار نہیں، اور نہ ہی حکمران کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے، ان حالات میں مقامی لوگوں کی طرف سے کسی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کرنا بلاشبہ درست ہے۔

پھر یہ تفصیل بھی حنفیہ کے نزدیک ہے، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر وجمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے حاکمِ وقت کی طرف سے باقاعدہ قیامِ جمعہ کی اجازت کا پایا جانا ہی ضروری نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قانون شکنی کرکے اپنے آپ کو فتنہ اور خطرات میں ڈالنے سے بچنے بچانے کا اہتمام اپنی جگہ ضروری ہے۔ [1]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے یہاں ملکِ پاکستان میں موجودہ وباء کے حالات میں حاکمِ وقت نے شہروں میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کیا، بلکہ محض بڑے مجامع کے انعقاد یا

---

[1] واشترطه الحنفية، إذن السلطان بذلک، أو حضوره، أو حضور نائب رسمی عنه، إذ هكذا كان شأنها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى عهود الخلفاء الراشدين.

هذا إذا كان ثمة إمام أو نائب عنه فى البلدة التى تقام فيها الجمعة، فإذا لم يوجد أحدهما، لموت أو فتنة أو ما شابه ذلک، وحضر وقت الجمعة كان للناس حينئذ أن يجتمعوا على رجل منهم ليتقدمهم فيصلى بهم الجمعة .

أما أصحاب المذاهب الأخرى فلم يشترطوا لصحة الجمعة أو وجوبها شيئا مما يتعلق بالسلطان، إذنا أو حضورا أو إنابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص١٩٧، مادة "صلاة الجمعة")

إذن السلطان لإقامة الجمعة :قال المالكية والشافعية، وهو الصحيح عند الحنابلة، إنه لا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام.وصرح المالكية والشافعية بأنه مندوب .ودليل ذلک أن عليا رضى الله عنه، عندما حوصر عثمان رضى الله عنه، أقام الجمعة من غير إذن ولا استئذان من عثمان رضى الله عنه، وكان ذلک بمحضر من الصحابة؛ ولأنها عبادة بدنية، لا يتوقف إقامتها على إذن.

وذهب الحنفية، وهو قول عند الحنابلة، إلى أن إذن الإمام شرط لصحة صلاة الجمعة؛ لأن ذلک هو المأثور عن الأئمة، والمتوارث عنهم، ولأن فى هذا دفعا للفتنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص١٥٥، مادة "استئذان")

www.idaraghufran.org

مخصوص تعداد سے زیادہ لوگوں کے مساجد میں حاضر ہونے سے منع کیا ہے، اور اپنے اپنے مقامات پر رہ کر نمازیں ادا کرنے کا علی الاطلاق حکم دیا ہے۔

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ اذنِ حاکم کی شرط فوت نہیں ہوئی، بلکہ تعددِ جماعات وجمعات میں مزید توسع اور گنجائش نکل آئی۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ شہروں میں جمعہ کا جواز، مسجد اور غیر مسجد میں عندالحنفیۃ برابر ہے۔

اور جمعہ کے باب میں حاکم کے فیصلوں پر عوام کو عمل کرنے کا حکم ہے، کیونکہ اس کا یہ فیصلہ جمعہ سے عناد، یا دین کو ضرر پہنچانے پر مبنی نہیں۔

بلکہ ایک وبائی سبب کی بناء پر ہے، جس کے اثرات اس وقت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اور تمام ملکوں میں معاشرتی فاصلوں کو برقرار رکھتے ہوئے، ہجوم واجتماع اور اختلاط سے بچنے بچانے کی تلقین اور اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے، جن میں مساجد میں بڑے اجتماعات پر بھی پابندی ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہی عبارات کی روشنی میں حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

”المحیطُ البرھانی“ کا حوالہ

”المحیطُ البرھانی“ میں ہے کہ:

الإمام إذ منع أهل مصر أن يجمعوا، حكى عن الفقيه أبى جعفر رحمه الله أنه إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب، أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصرا لم يجمعوا، فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲، ص۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

ترجمہ: امام (یعنی مسلمانوں کا حکمران) جب اہلِ شہر کو جمعہ پڑھنے سے منع

www.idaraghufran.org

کردے، تو فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وہ لوگوں کو اجتہادی طور پر، اسباب میں سے کسی سبب کی بناء پر منع کرے، یا اُس مقام کو مصر سے نکالنے کا ارادہ کرے، تو ایسی صورت میں لوگ (اس علاقے میں) جمعہ نہیں پڑھیں گے۔
لیکن جب وہ لوگوں کو تعنُّت یا ضَرر پہنچانے کی بناء پر منع کرے، تو ایسی صورت میں لوگوں کو کسی آدمی کو امام مقرر کر کے جمعہ پڑھنا جائز ہے (المحیطُ البرھانی)

''فتاویٰ قاضیخان و الفتاویٰ التتارخانیۃ'' کا حوالہ

''فتاویٰ قاضیخان'' اور ''الفتاویٰ التتارخانیۃ'' میں بھی اسی طرح سے ہے، اور اس میں بھی ''بسبب من الاسباب'' کے بعد ''او اراد'' کے الفاظ ہیں۔ [1]

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

البتہ ''البحرُ الرائق'' وغیرہ میں ''او اراد'' کے بجائے ''و اراد'' کے الفاظ ہیں۔ [2]

---

[1] الإمام إذا منع أهل مصر أن يجمعوا لم يجمعوا كما أن له أن يمصر موضعاً كان له أن ينهاهم قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى هذا إذا نهاهم مجتهداً بسبب من الأسباب أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصراً فأما إذا كان نهى متعنتاً أو إضراراً بهم فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(فتاوى قاضى خان، ج ۱، ص ۱۳۹، كتاب الصلاة)
الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا، كما أنهم ان ارادوا أن يمصروا موضعاً كان له أن ينهاهم.
الامام اذا منع ان يجمعوا، حكى عن الشيخ الامام الفقيه أبى جعفر :انه اذا نهاهم مجتهداً بسبب من الأسباب أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصراً ، لم يجمعوا،أما إذا نهاهم متعنتاً أو إضراراً بهم فلهم أن يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(الفتاوىٰ التاتارخانية ، ج ۲ ص ۷۲، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فى المتفرقات، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشى، الباكستان، تاريخ الطبع: 1990ء)
[2] وأشار المصنف -رحمه الله تعالى -إلى أن الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا كما أن له يمصر موضعا كان له أن ينهاهم قال الفقيه أبو جعفر هذا إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب وأراد أن يخرج ذلك المصر من أن يكون مصرا أما إذا نهاهم متعنتا أو إضرارا بهم فلهم أن يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ۲،ص ۱۵۷،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

اور ہمارا رُجحان پہلے الفاظ یعنی ”او اراد“ کی طرف ہے، جس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ جب امام، کسی شہر کو شہر ہونے سے خارج ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور سبب سے اجتہادی طور پر جمعہ پڑھنے سے منع کردے، تو لوگ وہاں جمعہ نہیں پڑھیں گے۔

ان الفاظ کے راجح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ منع کرنے کے مؤثر اسباب کے مقابلہ میں غیر مؤثر صورت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

”فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة“

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعنُّت اور اضرار کے مقابلہ میں اجتہادی نوعیت کے اسباب ہی ہوسکتے ہیں، خواہ وہ اجتہاد، براہِ راست، جمعہ کے عدمِ قیام سے متعلق ہو، یا کسی اور سبب، مثلاً بارش، یا دشمنوں کے خوف وغیرہ کی وجہ سے ہو، اور اس کے ضمن میں قیامِ جمعہ کی ممانعت لازم آرہی ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اسی وجہ سے اگر کسی علاقے کے حکمران اور وُلاۃ، کفار ہوں، تو وہاں فقہائے کرام نے فی نفسہٖ ان حکمرانوں کی اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ کافر کا تعنت اور اضرار ظاہر ہے۔ [1]

البتہ ایسی صورت میں چونکہ اپنے آپ کو قانونی ضرر سے بچانا ضروری ہے، یا مباح امور میں قانون پر عمل داری فی نفسہٖ وہاں کے مکین کے لیے قانونی طور پر بھی ضروری، یا ایک طرح سے حکومت اور وہاں کے مستقل یا عارضی مکینوں کے لیے عملی معاہدہ میں داخل ہے، اس لیے وہاں بھی دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جمعہ کو قائم کرنا، جائز ہوگا، اپنے آپ کو ضَرر سے بچانے کی بھی، اسلام میں تعلیم دی گئی ہے ”**لاضرر ولا ضرار فی الاسلام**“

اور مذکورہ، یعنی ”اواراد“ کے الفاظ کے راجح ہونے کی ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ مجتہدین کے بیان کردہ اسباب کئی طرح کے ہوسکتے ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تو قیامِ جمعہ

---

[1] فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة (رد المحتار، ج ۲ ص ۱۴۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

کے لیے خود اذنِ حاکم ہی ضروری ہے، اور یہ خود ہی ایک مستقل سبب ہے، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر مجتہدینِ عظام، جوازِ جمعہ کے لئے شہر کو ضروری نہیں سمجھتے، اور وہ ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کو بھی عام حالات میں جائز نہیں سمجھتے، نیز بعض حضرات بارہ، یا چالیس مخصوص افراد سے کم کی صورت میں جمعہ منعقد ہونے کو جائز نہیں سمجھتے۔

ایسی صورت میں ''إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب '' کا مطلب یہ ہوگا کہ جب حاکم کے جمعہ سے منع کرنے کا حکم اجتہادی اسباب میں سے کسی سبب کے تحت صادر ہو۔

لیکن اس کی تعبیر ''بسبب من الأسباب '' کے مجمل الفاظ کے ساتھ کرنے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ حاکم، بعض اوقات کسی تعنُّت اور اِضرار کے بغیر، کسی ایسے سبب کی بناء پر جمعہ سے منع کرسکتا ہے، جو سبب بظاہر دنیاوی ضرورت و مصلحت سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا سبب براہِ راست انعقادِ جمعہ کے اجتہاد سے نہ ہو، مثلاً دشمنوں کے خوف کے سبب سے بڑے اجتماع سے منع کرنا مقصود ہو، یا کسی وقت میں سخت بارش، یا سیلاب، یا آندھی طوفان، یا زلزلے وغیرہ کے سبب سے منع کرے، یا کسی مخصوص وباء کی وجہ سے منع کرے، یا عوام میں سخت انتشار واختلاف اور نزاع وجھگڑے کی فضاء سے بچانے کی وجہ سے منع کرے، جیسا کہ آج کل کرفیو وغیرہ کے مواقع پر ایسا ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں جس طرح مجتہِد کا اجتہاد معتبر ہوا کرتا ہے، اسی طرح اجتہادی اُمور میں اس کا حکم بھی معتبر ہوگا۔

اس کی تائید ان احادیث وآثار سے بھی ہوتی ہے، جن میں جمعہ کے دن بارش ہونے کی صورت میں جمعہ کے لیے حاضر نہ ہونے، اور اس کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے (جب نمازِ جمعہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء میں اداء ہوتی تھی) [1]

---

[1] عن ابن عباس، عن النبي -صلى الله عليه وسلم-، أنه قال في يوم جمعة يوم مطر : "صلوا في رحالكم(سنن ابن ماجه ، رقم الحديث : ٩٣٨)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور کئی احادیث میں ایسے مواقع پر دوسری فرض نمازوں کے متعلق بھی حکم آیا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح، وھذا إسناد ضعیف لضعف عباد بن منصور (حاشیة سنن ابن ماجه)

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل أن ابن عباس أمر المؤذن أن یؤذن یوم الجمعة، وذلک یوم مطیر، فقال: الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله. ثم قال له: ناد فی الناس فلیصلوا فی بیوتهم. فقال له الناس: ما هذا الذی صنعت؟ قال: قد فعل هذا من هو خیر منی، تأمرنی أن أحرج الناس فیأتونی یدوسون الطین إلی رکبهم (سنن ابن ماجه، رقم الحدیث: ۹۳۹)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده صحیح. (حاشیة سنن ابن ماجه)

وظاهر هذا: یدل علی أن ابن عباس یری أن الإمام إذا دعا الناس إلی الجمعة فی الطین والمطر لزمتهم الإجابة، وإنما یباح لأحدهم التخلف إذا نادی(الصلاة فی الرحال). والله أعلم.

وقد نص علی ذلک الإمام أحمد، فیما رواه البیهقی فی (مناقب أحمد) بإسناده، عن محمد بن رافع، قال: سمعت أحمد بن حنبل یقول: إن قال المؤذن فی أذانه: (الصلاة فی الرحال) ، فلک أن تتخلف، وإن لم یقل فقد وجب علیک(فتح الباری شرح صحیح البخاری،لا بن رجب ،ج۶،ص ۹۱،باب هل یصلی الإمام بمن حضر وهل یخطب یوم الجمعة فی المطر)

ل عن عبید الله بن عمر، قال: حدثنی نافع، قال: أذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان، ثم قال: صلوا فی رحالکم، فأخبرنا أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یأمر مؤذنا یؤذن، ثم یقول علی إثره: ألا صلوا فی الرحال فی اللیلة الباردة، أو المطیرة فی السفر (بخاری، رقم الحدیث ۶۳۲)

عن عبد الله بن الحارث، قال: خطبنا ابن عباس فی یوم ردغ، فلما بلغ المؤذن حی علی الصلاة، فأمره أن ینادی الصلاة فی الرحال، فنظر القوم بعضهم إلی بعض، فقال: فعل هذا من هو خیر منه وإنها عزمة(بخاری، رقم الحدیث ۶۱۶)

عن سمرة، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال یوم حنین فی یوم مطیر:الصلاة فی الرحال "(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۰۹۲)

قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیره، وهذا الإسناد رجاله ثقات رجال الصحیح کسابقه(حاشیة مسند احمد)

حدثنا أبو الملیح، عن أبیه، أن نبی الله صلی الله علیه وسلم قال یوم حنین فی یوم مطیر: "الصلاة فی الرحال "(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۷۰۳)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده صحیح، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر صحابیه، فقد روی له أصحاب السنن(حاشیه مسند احمد)

حدثنا أبو نعیم، حدثنا مسعر، عن عمرو بن دینار، قال: سمعت عمرو بن أوس،قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور فقہائے متأخرین نے دین سے دُوری اور سُستی کی وجہ سے اس بات کی طرف بھی نزول فرمالیا ہے کہ نفسِ قاضی اور حاکم کے وجود میں آنے کے لئے اُس کا مجتہد ہونا ضروری نہیں، بلکہ اُس کے حکم کا مجتہدین میں سے کس مجتہد کے مطابق واقع ہونا کافی ہے۔

اور اسی کے مطابق آج عمل بھی جاری ہے، کیونکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے اکثر حکمرانوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخبرني من سمع منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قامت الصلاة – أو حين حانت الصلاة أو نحو هذا –: " أن صلوا في رحالكم لمطر كان "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۴۳۳)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن عبيد الله بن عمر ، عن شيخ سماه عن نعيم بن النحام، قال: سمعت مؤذن النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة باردة وأنا في لحافي، فتمنيت أن يقول: صلوا في رحالكم، فلما بلغ حي على الفلاح، قال: " صلوا في رحالكم "ثم سألت عنها، فإذا النبي صلى الله عليه وسلم قد أمره بذلك (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۹۳۳)

قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن(حاشية مسند احمد)

حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا ابن جريج، أخبرني عمرو بن دينار، أن عمرو بن أوس أخبره، أن رجلا من ثقيف أخبره، أنه سمع مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في يوم مطير يقول: " حي على الصلاة، حي على الفلاح، صلوا في رحالكم "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۱۶۷)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن عمرو بن أوس، عن رجل، حدثه مؤذن النبي، صلى الله عليه وسلم قال: نادى منادى النبي صلى الله عليه وسلم في يوم مطر: " صلوافي الرحال "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۵۲۷)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

عن عبد الله بن الحارث، أن ابن عباس أمر المؤذن أن يؤذن يوم الجمعة، وذلك يوم مطير، فقال: الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال له: ناد الناس فليصلوا في بيوتهم ، فقال له الناس: ما هذا الذى صنعت؟ قال: قد فعل هذا من هو خير مني، أفتأمروني أن أخرج الناس أو أن يأتوا يدوسون الطين إلى ركبهم؟ هذا حديث أحمد بن عبدة، وقال يوسف: عن عبد الله بن الحارث – رجل من أهل البصرة نسيب لابن سيرين – وقال: أن أخرج الناس، ونكلفهم أن يحملوا الخبث من طرقهم إلى مسجدكم؟ (صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۸۶۴)

قال الألباني في تعليق ابنِ خزيمة:إسناده صحيح(حاشية صحيح ابنِ خزيمة)

میں مجتہد ہونے کی صلاحیت تقریبا مفقود ہوکر رہ گئی ہے۔

اس کے باوجود محققین کی طرف سے اجتہادی مسائل میں حکمِ حاکم کو رافعِ اختلاف قرار دیا جاتا ہے، جس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں صریح معصیت کے علاوہ حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

اور یہ بات بھی فقہائے کرام نے واضح فرمادی ہے کہ اجتہادی واختلافی مسائل کی کوئی جانب فی نفسہٖ منکر نہیں کہلاتی، جس کا مآل یہی ہے کہ ایسی صورت میں حاکم کا وہ حکم ایک امرِ مباح میں واقع ہوتا ہے۔

بلکہ اگر کوئی حکم مستقل شریعت سے متعلق نہ ہو، اور وہ امرِ مباح کے قبیل سے تعلق رکھتا ہو، اس میں بھی اطاعتِ حاکم کا حکم ہے۔

اس کی وضاحت ہم پہلے دیگر اپنے مضامین میں باحوالہ کرچکے ہیں۔

”بدائعُ الصنائع“ کا حوالہ

علامہ کاسانی نے ”بدائعُ الصنائع“ میں فرمایا کہ:

اتباع الإمام فی محل الاجتهاد واجب، کاتباع القضاة فی مواضع الاجتهاد واللہ تعالی -عز شأنه- أعلم(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۷، ص۱۰۰، کتاب السیر)

---

[1] عند الحنفية ليست العدالة شرطا لصحة الولاية، فيصح تقليد الفاسق الإمامة عندهم مع الكراهة، وإذا قلد إنسان الإمامة حال كونه عدلا، ثم جار فی الحكم، وفسق بذلك أو غيره لا ينعزل، ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم عزله فتنة، ويجب أن يدعى له بالصلاح ونحوه، ولا يجب الخروج عليه، كذا نقل الحنفية عن أبی حنيفة، وكلمتهم قاطبة متفقة فی توجيهه علی أن وجهه :هو أن بعض الصحابة رضی الله عنهم صلوا خلف أئمة الجور وقبلوا الولاية عنهم .وهذا عندهم للضرورة وخشية الفتنة. وقال الدسوقی :يحرم الخروج علی الإمام الجائر لأنه لا يعزل السلطان بالظلم والفسق وتعطيل الحقوق بعد انعقاد إمامته، وإنما يجب وعظه وعدم الخروج عليه، إنما هو لتقديم أخف المفسدتين، إلا أن يقوم عليه إمام عدل، فيجوز الخروج عليه وإعانة ذلك القائم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ٢٢٠، مادة ”الامامة الكبریٰ“ دوام الامامة)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: محلِ اجتہاد میں امام (یعنی امیر وحکمران) کی اتباع واجب ہے، جیسا کہ مواضعِ اجتہاد میں قاضیوں کی اتباع واجب ہے، واللہ تعالیٰ عزشانہٗ اعلم (بدائعُ الصنائع)

’’البنایة شرحُ الهدایة‘‘ کا حوالہ

علامہ عینی نے اسی جمعہ کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مزید وضاحت بھی فرمادی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

وفی "الفتاوی الظهيرية" الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا، قال الهندوانی :هذا إذا منع لسبب من الأسباب، أما إذا منعهم تعنتا أو إضرارا بهم يجوز أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة.

وقياسهم على سائر الصلوات فاسد، لأن الجمعة يشترط لها ما لم يشترط لغيرها من الصلوات مثل الخطبة والجماعة.

فإن قلت: هذا عبادة على البدن فلا يكون السلطان شرطا فيها كما فی الحج والصوم.

قلت: هذا مبطل بإقامة الحد وانفراد الواحد بالحج لا يفوت على غيره، وانفراد طائفة بإقامة الجمعة يفوت (على) الباقين، فافهم

(البناية شرح الهداية، ج۳، ص ۵۱، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ جب امام اہلِ مصر کو جمعہ پڑھنے سے منع کردے، تو وہ جمعہ نہیں پڑھیں گے، ہندوانی نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے منع کرے۔

لیکن جب اُن کو تعنُّت یا ضَرر پہنچانے کے طور پر منع کرے، تو پھر لوگوں کے لئے

جائز ہے کہ ایسے امام کو مقرر کر کے جمعہ پڑھیں، جو انہیں جمعہ پڑھا دے۔

اور بعض حضرات کا جمعہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنا فاسد ہے، کیونکہ جمعہ کے لئے بعض ایسی شرائط ہیں، جو دوسری نمازوں کے لئے شرط نہیں ہیں، مثلاً خطبہ اور جماعت کا ہونا۔

اگر آپ یہ شبہ کریں کہ جمعہ تو بدنی عبادت ہے، تو اس کے لئے سلطان (یا اُس کا اِذن) شرط نہیں ہوگا، جیسا کہ حج اور روزے میں؟

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ یہ باطل ہے، جیسا کہ حدود کی اقامت، حاکم کا حق ہے، اور اس کے حکم واذن کے بغیر جائز نہیں، لیکن ایک شخص کا حج سے رہ جانا، دوسرے کے حج کے فوت ہونے کا سبب نہیں ہوتا، مگر اس کے برعکس ایک جماعت کے جمعہ قائم کرنے سے الگ ہوجانا، دوسروں کا جمعہ فوت ہونے کا سبب ہوتا ہے، **فافهم** (البنایة)

مذکورہ عبارت میں ''مجتهداً'' کے الفاظ بھی نہیں، جس سے اسی عموم کی تائید ہوتی ہے، جس کا ذکر کیا گیا۔

اور اس کے مقابلے میں تعنت واضرار سے اس عموم کی دوسری جہت سے تعیین بھی آسان ہوجاتی ہے۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے سلطان، یا اس کا اِذن، روزے، اور عام نمازوں کے لیے تو شرط نہیں، کیونکہ اس کا تعلق اجتماعیت سے نہیں، اگر ایک عام فرد، نماز پڑھے، یا روزہ رکھے، اور دوسرا یہ عمل نہ کرے، تو پہلے کی عبادت میں خلل نہیں آتا، لیکن جمعہ کا تعلق اجتماعیت سے ہے، اسی وجہ سے اگر مثلاً جمعہ سے چند افراد الگ ہوگئے، اور باقی ماندہ لوگوں کا نصاب انعقادِ جمعہ کے لیے فقہائے کرام کی بیان کردہ شرط کے مطابق نہیں بچا، تو باقی ماندہ لوگوں کا جمعہ قائم کرنا درست نہیں رہتا، اور جب اس کا تعلق اجتماعیت سے ہوا، تو یہ سیاستِ

مدنیہ کے قبیل میں داخل ہوگیا، اور اس طرح اس میں سلطان وحکمران کا دخل ثابت ہوگیا۔
اس لیے ہم نے کہا کہ اگر کسی شہر میں کسی سبب سے مخصوص اجتماعات پر پابندی ہو، اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ، گھروں وغیرہ میں قیامِ جمعہ کی ممانعت نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس قانون کی پاسداری کرتے ہوئے کم از کم چار افراد کو جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا، اور جہاں اتنے افراد بھی جمع نہ ہوسکیں، وہ ظہر کی نماز پڑھیں گے۔
مگر حنفیہ کے نزدیک ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، پھر بھی مکروہ ہے۔

’’الدرُّ المختار‘‘ کا حوالہ

’’الدرُّ المختار‘‘ میں ہے:

وفی القهستانی: إذن الحاكم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقا علی ما قاله السرخسی وإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه فليحفظ (الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲، ص۱۳۸، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

ترجمہ: اور القهستانی میں ہے کہ حاکم کا دیہاتوں میں جمعہ کے لئے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دیدینا، بالاتفاق جمعہ کی اجازت دیدینے میں داخل ہے، جیسا کہ سرخسی نے فرمایا، اور جب اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل ہوجائے، تو یہ اجماعی حکم ہوجائے گا۔ پس اس کو یادرکھیئے (الدرالمختار)

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حنفیہ کے نزدیک عام گاؤں، دیہات میں جمعہ جائز نہیں، لیکن حاکم کے حکم سے گاؤں میں جمعہ جائز ہوجاتا ہے، کیونکہ گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ مجتہَد فیہ ہے، حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام اس کے قائل ہیں، اور جب حاکم نے گاؤں میں جمعہ کے لئے مسجد بنانے کی اجازت دیدی، تو وہ اس کی طرف سے گاؤں میں جمعہ کا حکم صادر کرنے کے مترادف ہے، اس لئے وہاں بالاجماع جمعہ جائز ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اجتہادی

اُمور میں حاکم کا حکم صادر ہو جائے، تو وہ اجماعی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔

اسی کو دیگر فقہائے کرام نے ''حُکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف'' ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔

''ردُّالمحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''الدرُّ المختار'' کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ابوقاسم نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ جب والی، یا قاضی جامع مسجد کو تعمیر کرنے اور جمعہ کی ادائیگی کی اجازت دیدے، تو وہاں جمعہ جائز ہے، کیونکہ یہ مجتہَد فیہ مسئلہ ہے، اور جب اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل ہو جائے گا، تو یہ مجمع علیہ ہو جائے گا۔

اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے، جبکہ اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل نہ ہو۔

اور فتاویٰ الدیناری میں ہے کہ جب گاؤں میں امام کے حکم سے مسجد تعمیر کردی جائے، تو وہ بالاتفاق جمعہ کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ سرخسی نے فرمایا، اور ''الرستاق'' سے دیہات مراد ہیں، جیسا کہ القاموس میں ہے۔

اور حاکم کی طرف سے کبھی جمعہ کے صحیح ہونے کا حکم ضِمناً اور تبعاً بھی ہوتا ہے۔

اور قہستانی کی اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان یا قاضی کا محض مسجد تعمیر کرنے کا حکم صادر کردینا، اور اس میں جمعہ کا حکم کردینا، یہ کسی دعوے اور حادثے کے بغیر ''رافع للاختلاف'' ہے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قوله وفي القهستاني إلخ) تأييد للمتن، وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق.

قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جس طرح حاکم کا کسی بستی میں جمعہ کا حکم، رافعِ اختلاف ہے، اور اس میں ضمنی وتبعی حکم بھی شامل ہے، اسی طرح کسی بستی سے جمعہ کے لئے منع کرنا بھی رافعِ اختلاف ہے، اور اس میں بھی ممانعتِ جمعہ کا ضمنی وتبعی حکم شامل ہے، جیسا کہ اس سے پہلی عبارات میں گزرا۔

پس جب حاکم کا حکم، کسی جگہ نفسِ جمعہ سے منع کرنے میں بھی مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اگر حاکم، نفسِ جمعہ سے تو منع نہ کرے، لیکن کسی سبب سے بڑے اجتماع سے منع کردے، اور مخصوص ومحدود اجتماعات سے منع نہ کرے، تو اس کا حکم بدرجۂ اولیٰ اس میں مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، جبکہ تعنت واضرار پر مبنی نہ ہو۔

نیز حاکم اگر انتظامی طور پر کسی اور مصلحت سے لوگوں کو گھروں تک محدود رہنے کا حکم کرے، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه.

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة؛ ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر.

وهذا إذا لم يتصل به حكم.

فإن في فتاوى الديناري إذا بني مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قال السرخسي اهـ فافهم والرستاق القرى كما في القاموس.

(تنبيه)في شرح الوهبانية :قضاة زماننا يحكمون بصحة الجمعة عند تجديدها في موضع بأن يعلق الواقف عتق عبده بصحة الجمعة في هذا الموضع وبعد إقامتها فيه بالشروط يدعي المعلق عتقه على الواقف المعلق بأنه علق عتقه على صحة الجمعة في هذا الموضع وقد صحت ووقع العتق فيحكم بعتقه فيتضمن الحكم بصحة الجمعة، ويدخل ما لم يأت من الجمع تبعا اهـ قال في النهر وفي دخول ما لم يأت نظر فتدبر .اهـ.

أقول :الجواب عن نظره أن الحكم بصحة الجمعة مبني على كون ذلك الموضع محلا لإقامتها فيه وبعد ثبوت صحتها فيه لا فرق بين جمعة وجمعة فتدبر .وظاهر ما مر عن القهستاني أن مجرد أمر السلطان أو القاضي ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوى وحادثة.

وفي قضاء الأشباه أمر القاضي حكم كقوله :سلم المحدود إلى المدعي، والأمر بدفع الدين، والأمر بحبسه إلخ وأفتى ابن نجيم بأن تزويج القاضي الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيره نقضه (قوله : وإذا اتصل به الحكم إلخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم(ردالمحتار، ج٢ ص١٣٨ ، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ایسی صورت میں بھی اس کا حکم مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھے گا، اور اس کے ضمن میں عوام کو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں جمعہ کے قیام، وعدمِ قیام کا حکم ہوگا، کیونکہ حکمِ حاکم، نفسِ جمعہ یا مطلق جمعہ سے منع کرنے کے متعلق صادر نہیں ہوا، بلکہ اس کا حکم ہمہ جہتی اعتبار سے بڑے اجتماعات واختلاط سے منع کے متعلق صادر ہوا ہے۔

ایسے حالات اور قانون کی روشنی میں ہم فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں جمعہ کے قیام کے مسئلہ کا جائزہ لے کر حل نکالیں گے، اور جب ہم نے فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط کے تناظر میں جائزہ لیا، تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ حالت میں مسلم حکمرانوں کا مساجد وغیرہ میں جمعہ کے بڑے اجتماعات کو منعقد کرنے سے منع کرنا، تعنت واضرار کے طور پر نہیں، بلکہ دراصل لوگوں کو خاص وباء کے اضرار سے بچانے کی مصلحت پر مبنی ہے۔

اور شہر کے اندر، جس جگہ گھر میں یا کسی اور مقام پر، کم از کم چار ایسے افراد موجود ہوں، جن میں صحتِ جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، تو حنفیہ کے نزدیک، ان کا جمعہ پڑھنا صحیح ہے، اور اگر وجوبِ جمعہ کی شرائط بھی پائی جاتی ہوں، تو اُن پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب بھی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک شہر کے اندر، جمعہ کے دن، جمعہ سے معذور اشخاص کے لیے بھی ظہر کی نماز کو باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، اور غیر معذور اشخاص کو بدرجۂ اولیٰ مکروہ، بلکہ حرام ہے۔

اور جہاں بحالاتِ موجودہ، اس طرح کے چار افراد کا اجتماع بھی نہ ہوسکے، تو ان کو جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

اب ان حالات میں جو اہلِ علم واصحابِ افتاء، موجودہ قانون کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں، یا بڑے اجتماعات سے منع کرنے کو حاکم کے تعنت واضرار پر محمول کررہے ہیں، تو وہ ان کا نقطۂ نظر ہے، لیکن ہم نے عباراتِ فقہاء کے تناظر میں جس نقطۂ نظر کو مناسب سمجھا، اس کے مطابق حکم بیان کردیا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر 3)

اِذنِ عام ومتعدد مکانات میں جمعہ کی تحقیق

جب گھروں وغیرہ میں قیامِ جمعہ کے مسئلہ کا ذکر آتا ہے، تو اس ضمن میں ''اذنِ عام'' کے مسئلہ کا بھی ذکر آتا ہے، اور اس پر بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے تردد کا اظہار کیا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لیے گھر کے دروازے کھلے رکھنے اور لوگوں کو نمازِ جمعہ کے لیے گھر میں داخلہ کی اجازت دینے وغیرہ کی بحث چل پڑتی ہے، اس لیے اس کا فقہی جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

حنفیہ کی ''ظاہر الروایۃ'' میں تو ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ ''نوادر'' کی ایک روایت میں ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر پایا جاتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ غیر حنفیہ یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس شرط کا اعتبار نہیں کرتے۔

اس کا تقاضا یہ تھا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس شرط کا اعتبار نہ ہوتا، لیکن حنفیہ کی بہت سی کتب میں نوادر کی روایت کے مطابق، اذنِ عام کی شرط کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے متاخرینِ حنفیہ کی متعدد کتبِ فقہ وفتاویٰ میں اس شرط کا ذکر پایا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں سلسلۂ حنفیہ کے اردو فتاویٰ میں بھی اس شرط کا ذکر ملتا ہے۔

یہ امر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ فقہ کی وہ کتابیں، جو قدیم زمانوں میں اس وقت تحریر ومرتب کی گئی تھیں، جب مسلمانوں کی حکومتیں تھیں، اور اسلامی قوانین رائج تھے، جن میں جمعہ کا مسئلہ بھی شامل تھا۔

ان زمانوں میں اسلامی معاشرہ کی جو نوعیت وکیفیت تھی، اس کے اعتبار سے بہت سے مسائل ان کتابوں میں بیان کیے جاتے تھے، بعد میں مرورِ زمانہ کے ساتھ بہت کچھ معاشرے میں تبدیلی آتی چلی گئی، اور مختلف ممالک کے قوانین بھی الگ الگ ہونے لگے۔

www.idaraghufran.org

ان حالات میں بعد کے فقہائے زمانہ نے بھی بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں ان مسائل کے انطباق کا اہتمام کیا۔

پہلے زمانوں میں عموماً شہر کے اندر ایک مقام پر ہی حاکم کی موجودگی میں، جمعہ ادا کیا جاتا تھا، اور وہاں اذنِ عام نہ ہونے کی صورت میں، اہلِ شہر کے بہت سے لوگوں کا جمعہ کی نماز سے محروم ہونا لازم آتا تھا، اس لیے اس دور میں اذنِ عام کی شرط کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا، اور اذنِ عام کے ساتھ ''حاکم'' کا بھی عموماً ذکر ہوتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں اذنِ عام نہ ہونے کی صورت بھی حاکم کی طرف سے ہی وجود میں آتی تھی۔

چنانچہ بعض اوقات حکمران اپنے، قلعہ یا اپنے گھر وغیرہ میں جمعہ ادا کیا کرتے تھے، ایسی صورت میں وہاں اذنِ عام نہ ہونے، یا قلعہ کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے، شہر کے بہت سے لوگ، جمعہ سے محروم ہوجاتے تھے اور ان کا جمعہ فوت ہوجاتا تھا، اس لیے فقہائے کرام نے اذنِ عام کی بحث میں قلعہ اور حاکم وغیرہ سے متعلق اس طرح کی مثالوں اور صورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

پھر بعد میں ایک شہر میں، ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نمازیں ہونے لگیں، اور فقہائے کرام نے بھی ان کے جواز پر فتویٰ دیا، اسی کے ساتھ حکمرانوں کی طرف سے بھی تعددِ جمعہ کی صراحتاً، یا دلالتاً اجازت میں توسع ہوتا چلا گیا۔

اور اس قسم کے توسعات کے پیچھے، جہاں شہروں کی وسعت اور آبادیوں کی کثرت تھی، اسی کے ساتھ جمعہ کی اہمیت وعظمت اور لوگوں کی طرف سے دین میں سستی ولاپرواہی تھی، تاکہ کسی قسم کی سستی، اسلام کے اس عظیم الشان شعار یعنی جمعہ کے ترک کا باعث نہ بن جائے، جس کی خاطر اس قدر رعایت وسہولت دی گئی کہ بغیر ضرورت کے بھی متعدد مقامات ومکانات میں جمعہ کی نمازوں کو بلا کراہت گوارا کیا گیا۔

لیکن پہلے زمانوں کی فقہی کتب میں اذنِ عام کی شرط کا اپنے موقع پر ذکر برقرار رہا، جس کے

نتیجے میں بعض متاخرین کو اس مسئلے کے حل کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

جن فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط، معتبر ہونے کی بنیادی علت پر نظر کی، انہوں نے اس مسئلے کی بنیاد کو واضح فرمادیا، اور جن حضرات کی نظر بعض فقہی جزئیات اور مثالوں پر پڑی، انہوں نے اسی حیثیت سے حکم بیان کیا۔

اوراس کے نتیجے میں بعد کے زمانے کے فتاویٰ میں کچھ فرق واختلاف بھی پیش آ گیا۔

جس کی ذیل میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

’’شرح مختصرُ الطحاوی‘‘ کا حوالہ

امام ابوبکر جصاص (المتوفیٰ: 370ھ) نے ’’شرح مختصرُ الطحاوی ‘‘ امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’لوگوں کے لیے شہر میں دو مسجدوں میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنا جائز نہیں، امام محمد سے اسی طرح مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ایک شہر میں دو جگہ، اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس شہر کی اس طرح دو جانب نہ ہوں کہ ان کے درمیان نہر ہو، اس صورت میں وہ دو شہروں کی طرح ہو جائیں گے، اور اگر دو مسجدوں (یعنی دو مقامات پر ہونے والی جمعہ کی نمازوں) کے درمیان نہر نہ ہو، تو جمعہ اسی کا معتبر ہوگا، جو اُن میں سے پہلے پڑھے گا، اور بعد میں پڑھنے والوں پر ظہر کو لوٹانا واجب ہوگا۔

ابوبکر آمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں کوئی بات محفوظ نہیں، اور پہلا قول امام محمد کا ہے، جو مسجد اور عید گاہ میں، عید کی نماز کے مشابہ ہے، اور جب عید کی نماز دو مقامات پر جائز ہے، تو جمعہ بھی جائز ہوگا۔

اور امام ابو یوسف کا فرمانا یہ ہے کہ اگر دو مسجدوں میں جائز ہوگا، تو تین میں اور چار میں بھی جائز ہوگا، یہاں تک کہ ہر مسجد والوں کے لیے پڑھنا جائز ہوگا، اور یہ

بالاجماع جائز ہے، پس اسی طریقے سے دو مسجدوں میں پڑھنا بھی ناجائز ہے۔
ابوبکر فرماتے ہیں کہ حسن کرخی نے خلف بن ایوب کے واسطے سے، امام ابو یوسف کا ایک قول یہ روایت کیا ہے کہ شہر میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، لیکن تین مقامات پر جائز نہیں"۔انتہٰی۔ [1]

"الدرُّ المختار" کا حوالہ

"الدرُّ المختار" میں ہے کہ:

"حنفی مذہب کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر علی الاطلاق، جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے، دفعِ حرج کی وجہ سے، اور مرجوح قول کے

---

[1] قال :(ولا بـأس بأن يجمع الناس فى المصر فى مسجدين، ولا يجمع فيما هو أكثر من ذلک، هكذا روى محمد)
وقال أبو يوسف :لا يجوز الا فى مصر يكون جانبين، بينهما نهر، فيكون كمصرين، وإن لم يكن بين المسجدين نهر :فالجمعة لمن سبق منهما، وعلى الآخرين أن يعيدوا ظهرًا.
قـال أبو بكر أمد :لا يـحـفـظ عـن أبى حنيفة فى ذلک شىء ، والأول هو قول محمد، شبهة بصلاة العيدين فى المسجد، والجبانة.
وقـو روى أن عـليًـا رضى الله عنه كان يخلف رجلاً يصلى العيد بضعفه الناس فى المسجد، ويخرج هو، فيصلى بهم فى الجبانة.
والجبانة فى حكم المصر، لو لا ذلک لما أجزأ فيها صلاة العيد؛ لأن من شرطها أن تفعل فى المصر، فلما جاز ذلک فى العيد بالاتفاق، جاز فى الجمعة، إذ كان من شرطهما جميعًا المصر.
ولأبى يوسف :أنـه لو جاز فى مسجدين :جـاز فـى ثـلاثة وأربعة، حتى يصلى فى كل مسجد، وهذا ساقط بإجماع، فكذلک فى مسجدين.
فأما إذا كان بين المسجدين نهر عظيم، مثل دجلة، فإن الجانبين يكونان كالمصرين، فيجوز.
(مسألة:)قال :(فإن صلى أهل المسجدين معًا :فسدت صلاتهم جميعًا فى قول أبى يوسف)
يعنى فى المصر الذى ليس فيه نهر؛ لأن أحدهما ليس بأولى لجواز الصلاة فيه من الآخر.
قال أبو بكر أحمد :وقد حكى أبو الحسن الكرخى رحمه الله عن خلف بن أيوب عن أبى يوسف أنه قال :تجزء الجمعة فى موضعين من المصر، ولا تجزء فى ثلاثة.
قال :وقال محمد :تـجـزء(شرح مختصر الطحاوى، ج۲،ص ۱۳۳ الیٰ ۱۳۵ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،مسألة:تعدد الجمعة فى المصر)

www.idaraghufran.org

مطابق متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کا جمعہ درست ہوگا، جو پہلے ادا کرلیں، اور اگر ایک ساتھ اداء کریں، یا معیت میں شبہ پڑ جائے، تو سب کا جمعہ فاسد ہوجائے گا''۔انتہٰی۔ [1]

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار'' کا حوالہ

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدرالمختار''میں ہے کہ:

''بہت سے مقامات پر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اور شہر کے دونوں جانب نہر حائل ہو یا نہ ہو، کیونکہ جمعہ کے لیے صرف شہر شرط ہے، جو ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں موجود ہے، اور ایک قول کے مطابق، شہر میں صرف دو مقامات میں ادا کیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ مقامات میں ادا کرنا جائز نہیں''۔انتہٰی۔ [2]

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''شہر کے متعدد مقامات پر علی الاطلاق جمعہ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ شہر

---

[1] (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقا علی المذهب وعلیه الفتوی شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیر دفعا للحرج، وعلی المرجوح،فالجمعة لمن سبق تحریمة وتفسد بالمعیة والاشتباه(الدر المختار مع شرحه رد المحتار علی الدر المختار،ج۲،ص۱۴۵ ، کتاب الصلاة،باب الجمعة)

[2] (قوله: بمواضع کثیرة)وقیل فی موضعین، لا اکثر(قوله مطلقا) سواء کان هناک ضرورة أم لا ،فصل بین جانبی البلد نهر ، ام لا(قوله: علی المذهب) لاطلاق الخبر وهو لاجمعة الا فی مصر ، فشرط المصر فقط (حاشیة الطحطاوی علی الدر ، ج ا ص ۳۴۱، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطبوعة: المکتبةُ العربیة، کوئته، الباکستان)

www.idaraghufran.org

بڑا ہو، یا بڑا نہ ہو، اور خواہ اس کی دونوں جانب میں بڑی نہر فاصل وحائل ہو، یا نہ ہو، اور خواہ وہ متعدد جمعے، دو مسجدوں میں پڑھے جائیں، یا زیادہ میں، اور فتح القدیر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز، حاجت کے بقدر ہو، جیسا کہ سرخسی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور اسی کو ہم لیتے ہیں، کیونکہ جمعہ کے لیے فقط (عندالحنفیة) شہر ہونا شرط ہے، اور مرجوح قول، وہ ہے، جو بدائع کے حوالے سے گزرا کہ شہر میں دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں ''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنے سارے مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت بھی نہ ہو، اور جب ضرورت ہو، تو پھر جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

دیگر کئی حضرات نے بھی ضرورت کے بغیر مطلقاً تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا ہے۔

ہمارے یہاں کے سلسلۂ حنفیہ پر مشتمل متعدد اردو فتاویٰ میں بھی اسی کے مطابق حکم مذکور ہے، اور بعض فتاویٰ میں بغیر حاجت کے بھی متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کو صاف طور پر جائز قرار دیا گیا

---

[1] (قوله مطلقا) أى سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقى متصلا وسواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسى الآتى (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين لا فى أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر (قوله دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال ط (قوله وعلى المرجوح) هو ما مر عن البدائع من عدم الجواز فى أكثر من موضعين (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۱۴۵، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ہے، اس طرح کے چند اردو فتاویٰ آگے آتے ہیں۔

اور آج دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے ایک ایک محلّہ میں کئی کئی مقامات پر جمعہ کی نماز قائم کی جاتی ہے، جس پر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق کیے بغیر کوئی نکیر بھی نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد حنفیہ کی کتب میں جمعہ کے درست ہونے کے لیے اذنِ عام کو جو مستقل شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

''المحیطُ البرھانی'' میں ہے کہ:

''جمعہ جائز ہونے کے لیے اذنِ عام بھی شرط ہے کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں (خواہ وہ مسجد ہو، یا قلعہ ہو، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور تمام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

اگر کچھ لوگوں نے کسی جگہ جمع ہو کر، جمعہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ دروازوں کو بند کرلیا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر بادشاہ نے اپنے حشم وخدم کو اپنے گھر میں جمع کرکے جمعہ پڑھا، تو اگر اس گھر کا دروازہ کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازتِ عام دے دی، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس، جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں، اور اگر گھر کا دروازہ نہیں کھولا، اور اس کے تمام دروازے بند کردیئے، اور ان پر چوکیداروں کا پہرہ بٹھادیا، تاکہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکیں، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا''۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلك وكذلك إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه فى داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں بادشاہ کے گھر کا ذکر، اس لیے کیا گیا کہ اس زمانے میں جمعہ کو قائم کرنے کا حق بادشاہ، یا اس کے نمائندے کو ہی حاصل تھا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حنفیہ کی دیگر کتب کا حوالہ

حنفیہ کی اور کئی کتب میں بھی جمعہ کی شرائطِ صحت کے موقع پر اذنِ عام کی شرط کا ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

”مراقیُ الفلاح و حاشیةُ الطحطاوی“ کا حوالہ

علامہ شرنبلالی (المتوفی: 1069ھ) نے ”مراقیُ الفلاح“ میں اس مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”الھدایة“ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا ”ظاہر الروایة“ میں ذکر نہیں پایا جاتا، یہ تو ”النوادر“ کی ایک روایت ہے، اور بعض

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلك إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة والسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجوز صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين(المحيط البرهاني، ج٢،ص٨٥، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

[1] (و) شرط أدائها أيضًا (الإذن العام) من الإمام حتى لو غلق بابه وصلى باتباعه لا تجوز، ولو أذن للناس بالدخول فيه جاز ويكره فالإمام يحتاج للعامة فى دينه ودنياه. كما يحتاج العامة إليه فسبحان من تنزه عن الاحتياج، بل كل موجود إليه محتاج وهذا الشرط لم يذكر فى الظاهر، بل فى رواية (النوادر)، ولهذا حذفه فى الهداية(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج١، ص٣٦٠،باب صلاة الجمعة)

وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج١، ص٣٧٣،باب صلاة الجمعة)

(و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أى أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج١، ص١٣٨،باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

حضرات نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ، محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کرلے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اور ان کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، بلکہ اگر قلعہ کا دراوزہ کھلا بھی رکھا جائے، تو اس میں جمعہ کی نماز کے لیے جانے کی لوگوں کو زیادہ رغبت نہیں ہوتی، کیونکہ جمعہ کی نماز، اس قلعے میں چڑھنے کا تکلف کرنے کے مقابلے میں سہل مقامات پر بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور قاہرہ شہر کے ہر محلے میں مختلف خطبے اور جمعے ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کرکے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی "۔انتھیٰ۔[1]

اور "حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح" میں ہے کہ:

---

[1] ولم یذکر فی (الهداية) هذا الشرط لأنه غیر مذکور فی ظاهر الرواية وإنما هو رواية (النوادر).

قلت اطلعت على رسالة العلامة بن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فی قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها .وأقول فی المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فی هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فی كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .

وفی كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۹۴،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

''جب ہر محلّہ میں جمعہ ہوتا ہے، تو قلعہ والوں کے دروازہ بند کر کے، اپنے آپ کو جمعہ کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ نہیں پائی گئی''۔انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارات سے واضح ہوا کہ اگر شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ہورہی ہو، تو ایسی صورت میں کسی کا گھر وغیرہ کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھنا، جائز ہے، اور ایسی صورت میں جمعہ صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

اور آج جب شہروں میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں، شرعاً وقانوناً جائز ہیں، اس لیے جب تک کسی شرط وقانون کی مخالفت لازم نہ آئے، اس کے عدمِ جواز کا بھی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اس بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ گھروں وغیرہ میں دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کو بلا تردد جائز قرار دیتے ہیں اور دروازے کھولنے کے تردد اور تکلف اور اس کے نتیجہ میں مختلف خطرات و تحفظات کی بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

''الدرُّ المختار و ردُّ المحتار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار''میں ہے کہ:

''امام کی طرف سے اذنِ عام کا ہونا بھی جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، جوکہ جمعہ ہونے والے مقام میں آنے والوں کے لیے دروازہ کھولنے سے حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا قلعہ کے دروازے کا دشمن سے حفاظت کی غرض سے، یا پرانے رواج کے مطابق، بند کرنا مضر (ونقصان دہ) نہیں، کیونکہ اذنِ عام وہاں کے لوگوں کے لیے ثابت ہے، اور ایسی صورت میں قلعہ کے دروازے بند کرنا دشمن سے حفاظت کے لیے ہے، نہ کہ نمازِ جمعہ سے منع کرنے کے لیے، البتہ اس کے باوجود، اگر دروازے بند نہ کیے جائیں، تو اچھا ہے۔

---

[1] قوله" :وفی کل محلة الخ "أی فلا اختصاص بها لمن بالقلعة(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۵۱۱،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

پس اگر امیر (یعنی بادشاہ، یا اس کا نمائندہ) اپنے قلعہ میں داخل ہوا، اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت، اس کے دروازے کو بند کرلیا، تو جمعہ درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے قلعہ کے دروازے کو کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو پھر جمعہ کا پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے'' ۔انتھٰی ۔ [1]

علامہ ابنِ عابدین شامی نے مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے''ردُّ المحتار ''میں فرمایا کہ:

''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے (خواہ وہ کوئی مسجد ہو، یا قلعہ، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور جس نے اذنِ عام کی تفسیر''اشتہار'' کے ساتھ کی ہے، اس کی مراد بھی یہی (اذنِ عام) ہے۔

لیکن اس شرط کا حنفیہ کی''ظاھرُ الروایة ''میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے''الهدایة''میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ''النوادر ''میں مذکور ہے''کنز اور الوقایة اور النقایة اور الملتقٰی ''اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور امام کی طرف سے اذنِ عام کی قید، آنے والی قلعہ کی مثال کی وجہ سے لگائی گئی

---

[1] (و) السابع :(الإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافى فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما فى مجمع الأنهر معزيا لشرح عيون المذاهب قال :وهذا أولى مما فى البحر والمنح فليحفظ (فلو دخل أمير حصنا) أو قصره (وأغلق بابه) وصلى بأصحابه (لم تنعقد) ولو فتحه وأذن للناس بالدخول جاز وكره، فالإمام فى دينه ودنياه إلى العامة محتاج، فسبحان من تنزه عن الاحتياج(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج ۲: ص ۱۵۲ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

ہے، ورنہ تو اجازت کا اعتبار اس جمعہ کو قائم کرنے والے کی طرف سے ہے۔

اور اذنِ عام کے لیے صریح اجازت شرط نہیں۔

اور قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے)

اور حاکم کا قلعہ کے دروازے کھول کر جمعہ پڑھنے کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

www.idaraghufran.org

اس طرزِ عمل کی وجہ سے جامع مسجد کا حق ادا نہیں ہوتا، اور وہاں جمعہ قائم نہیں ہو پاتا (کیونکہ جمعہ حاکم کے بغیر منعقد نہیں ہوتا)''۔انتہی۔ ل

ل (قوله الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى -شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات.

(قوله من الإمام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز إسماعيل.

(قوله :وهو يحصل إلخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن ط (قوله للواردين) أى من المكلفين بها فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة ط.

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أى لأهل القلعة لأنها فى معنى الحصن والأحسن عود الضمير إلى المصر المفهوم من المقام لأنه لا يكفى الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع.

(قوله :وغلقه لمنع العدو إلخ) أى أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لكل من أراد الصلاة، والذى يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو (قوله لكان أحسن) لأنه أبعد عن الشبهة لأن الظاهر اشتراط الإذن وقت الصلاة لا قبلها لأن النداء للاشتهار كما مر وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قبيله فمن سمع النداء وأراد الذهاب إليها لا يمكنه الدخول فالمنع حال الصلاة متحقق ولذا استظهر الشيخ إسماعيل عدم الصحة ثم رأيت مثله فى نهج النجاة معزيا إلى رسالة العلامة عبد البر بن الشحنة والله أعلم (قوله :وهذا أولى مما فى البحر والمنح) ما فى البحر والمنح هو ما فرعه فى المتن بقوله فلو دخل أمير حصنا أى أنه أولى من الجزم بعدم الانعقاد.

(قوله :أو قصره) كذا فى الزيلعى والدرر وغيرهما، وذكر الوانى فى حاشية الدرر أن المناسب للسياق أو مصره بالميم بدل القاف.قلت :ولا يخفى بعده عن السياق .وفى الكافى التعبير بالدار حيث قال :والإذن العام وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا.وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فى محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

علامہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں، اور جمعہ کے اشتہار و اعلان سے مراد بھی، یہی اذنِ عام ہے، اور جب شہر میں دوسرے مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، تو ایسی صورت میں کسی گھر، یا عمارت کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے، اور اس کے جائز ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ علت پائی ہی نہیں جاتی، جس کی وجہ سے اذنِ عام کو شرط قرار دیا گیا تھا، یہی بات مزید صراحت کے ساتھ ''مراقی الفلاح'' کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے۔

اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب نمازِ جمعہ کے دوران، دروازہ کا بند کرنا، نمازِ جمعہ سے روکنے کے بجائے، کسی دوسرے مقصد سے ہو، مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر سے، تو بعض حضرات اس صورت میں بھی جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ علامہ ابنِ عابدین شامی کا رجحان بظاہر اس کی طرف معلوم نہیں ہوتا، بہرحال بعض حضرات کا یہ قول موجود ہے۔ [1]

پس اگر گھر میں نمازِ جمعہ قائم کیا جائے، اور پردہ کی خاطر، یا مکان اور اس میں موجود افراد اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع الناس فلا يضر إغلاقه لمنع عدو أو لعادة كما مر ط.قلت :ويؤيده قول الكافي وأجلس البوابين إلخ فتأمل .

(قوله وأذن للناس إلخ) مفاده اشتراط علمهم بذلك، وفي منح الغفار وكذا أي لا يصح لو جمع في قصره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلك .اهـ .(قوله وكره) لأنه لم يقض حق المسجد الجامع زيلعي ودرر (قوله فالإمام إلخ) ذكره في المجتبى(ردالمحتار، ج ۲: ص ۱۵۲، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغي حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه في الدر المختار إلى الكافي وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل وعلى اعتباره أي الإذن العام تحصل الشبهة في صحتها في قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اشیاء کی حفاظت کی غرض سے دروازہ بند کر کے رکھا جائے، تو جمعہ کی نماز جائز ہے۔

اور شہروں میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ ہونے کی صورت میں بھی بلاشبہ جائز ہے۔

اور علامہ شامی نے جب اشتہار سے مراد بھی اذنِ عام لیا ہے، یعنی ان دونوں قسم کے الفاظ سے ایک ہی چیز کی تعبیر کا ہونا بیان کیا ہے، اور تعددِ جمعہ کی صورت میں یہ شرط برقرار نہیں رہتی، تو اب جب کہ کسی شہر میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، تو گھروں میں نمازِ جمعہ کو اس لیے ناجائز قرار دینا بھی درست نہ ہوگا کہ اس صورت میں جمعہ کے شعار کا اظہار نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ اس کی کئی نظیریں موجود ہیں کہ جن چیزوں کو اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے، ان کی ادائیگی اور ان پر عمل کرنے کو ہی شریعت نے نفسِ شعار قرار دیا ہے، البتہ بعض امور میں اظہار واعلان کو سنت ومستحب قرار دیا گیا ہے، جبکہ بعض امور کے، کسی علاقے میں فی الجملہ اظہار کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کو شعار قرار دیا گیا ہے، لیکن قربانی کو گھر وغیرہ میں اس طرح کرنے سے کہ اس کا دوسرے پر اظہار نہ ہو، ناجائز قرار نہیں دیا جاتا۔

اسی طرح مساجد بھی شعائر میں داخل ہیں، لیکن اگر کوئی جگہ شرعی اعتبار سے وقف کر دی جائے، اور اس پر مینارہ وغیرہ قائم نہ کیا جائے، اور نہ ہی اس کے مسجد ہونے کی لوگوں میں شہرت کی جائے، تو فی نفسہٖ وہ شرعی مسجد شمار ہوتی ہے۔

اسی طرح پنجگانہ نماز، اور اس کی جماعت، اور اذان اور تراویح وغیرہ کو بھی شعار میں داخل مانا گیا ہے، لیکن ہر کسی کے فرض نماز کی ادائیگی یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنے، یا تراویح کو ادا کرنے کے لیے، اس کا اظہار ضروری نہیں، اور فقہائے کرام نے اذان میں رفعِ صوت کا حکم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن فى داخلها كمن فى داخل القصر (منحة الخالق، ج ٢، ص ١٦٣، باب صلاة الجمعة)

الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل فى غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ١٦٦، باب صلاة الجمعة)

www.idaraghufran.org

فرمایا ہے، لیکن رفعِ صوت پر، اذان کے وجود کوموقوف نہیں رکھا، بلکہ بعض جگہ، یعنی جب ضرورت نہ ہو، تو بقدرِ ضرورت آواز کوکافی قرار دیا ہے، خواہ غائبین تک آواز نہ پہنچے۔ [1]

اور ہم اپنے دوسرے مفصل مضمون میں یہ واضح کرچکے ہیں کہ اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کا قیام ہی خود سے دراصل شعارِ اسلام کا اظہار ہے۔ [2]

---

[1] أوجب الشافعية والحنابلة رفع الصوت بالأذان؛ ليحصل السماع المقصود للأذان، وهو كذلك رأى للحنفية، وهذا إذا كان الغرض إعلام غير الحاضرين بصلاة الجماعة، أما من يؤذن لنفسه أو لحاضر معه فلا يشترط رفع الصوت به إلا بقدر ما يسمع نفسه أو يسمعه الحاضر معه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص٣٦٥، مادة "أذان")

ولكن رفع الصوت بالإقامة يكون أخف من رفعه بالأذان، لاختلاف المقصود فى كل منهما. فالمقصود من الأذان :إعلام الغائبين بالصلاة، أما الإقامة فالمقصود منها طلب قيام الحاضرين فعلا للصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٨، مادة "إقامة")

ويسن رفع الصوت بالأذان لمنفرد فوق ما يسمع نفسه، ولمن يؤذن لجماعة فوق ما يسمع واحدا منهم، ويخفض صوته فى مصلى أقيمت فيه جماعة (الفِقهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلى، ج١، ص٤٠٧، القسم الاول، الباب الاول، الفصل الرابع، المبحث الاول، المطلب الرابع)

الذكر الثانى تأكد على الأول فى رفع الصوت ولا مزيد عليه(التجريد للقدورى، ج١، ص٤٢٢، كتاب الصلاة)

ولأن الأذان لإعلام الغائبين...ولأن المقصود من الأذان الإعلام، وذلك برفع الصوت(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج١، ص٣٤٢، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فى التغنى والألحان)

والمؤذن فى بيته يرفع دون ذلك فوق ما يسمع نفسه(رد المحتار على الدر المختار، ج١، ص٣٩٠، باب الأذان)

[2] اب جبکہ یہ مضمون مکمل ہو چکا تھا، ایک صاحب نے اس سلسلے میں ایک فتویٰ ارسال کرکے بندہ کی رائے معلوم کی۔ اس فتوے میں اذنِ عام کے مسئلے میں علامہ شامی کی طرف ''تفرد'' کے الزام کی نسبت کی گئی ہے، اور اس کے لیے علامہ رافعی اور ''فتاویٰ رحیمیہ'' کی عبارات کو مستدل بنایا گیا ہے، اور بعض اردو فتاویٰ میں عجیب وغریب تاویلات کی گئی ہیں، اور اذنِ عام واذنِ سلطان کی شرط کی بھی عجیب وغریب توجیہ کی گئی ہے۔

ہم نے اس فتوے کو بغور ملاحظہ کیا، جس سے ہمیں اتفاق نہ ہوسکا، ہم سمجھتے ہیں کہ علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی (یعنی صاحبِ مراقی الفلاح) نے اس مسئلہ کی بنیادی علت کو سمجھ کر اس کو منقح کیا ہے۔

ارادہ تھا کہ اس تحریر میں ہی اس فتوے پر کلام کردیا جائے، لیکن اس کی وجہ سے اس مضمون کے تسلسل میں خلل واقع ہو رہا تھا، اس لیے مناسب خیال کیا کہ اس پر الگ سے کلام کردیا جائے، چنانچہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر جلد ہی تحریر کردیا جائے گا، جس سے علامہ ابنِ عابدین شامی کے اس موقف کا راجح ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

مذکورہ اوراس جیسی عبارات کے پیشِ نظر اردو فتاویٰ میں بھی اس سلسلہ میں کچھ اختلافی فتاویٰ ملتے ہیں، لیکن متعدد اہلِ افتاء نے مذکورہ دونوں نقطہائے نظر کو اپنی اپنی آراء کے مطابق اختیار فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں چند اردو فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

امدادُ الفتاویٰ کا حوالہ

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا، وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں۔

فی الدرالمختار: والإذن العام من الامام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كاف فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

فی ردالمحتار: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل(ج ا ص ۸۵۱)

پس بناء بر روایتِ بالا، اس قلعہ میں نمازِ جمعہ درست ہے (امداد الفتاویٰ، ج ا ص ۴۸۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: جولائی 2010ء)

مذکورہ فتوے میں اسی قول کی اتباع کی گئی ہے، جس کے مطابق، دروازے بند کرنے یا روک ٹوک کا مقصد نفسِ نمازِ جمعہ سے روکنا نہ ہو، بلکہ کوئی دوسری مصلحت مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر ہو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ حالات میں ایک خاص وباء کی وجہ سے بڑے بڑے

www.idaraghufran.org

اجتماعات کے انعقاد سے روکنا مقصود ہے، نفسِ جمعہ سے روکنا مقصود نہیں۔

اور شہر میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی شکلوں میں قائم ہیں، اس لیے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی اپنے گھر وغیرہ کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھے، یا ظہر کی نماز پڑھے، اس کی شرعی وفقہی اعتبار سے کوئی ممانعت نہیں ہوگی۔

امدادُ الاحکام کا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ہے کہ:

اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے، تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے (امداد الاحکام، ج۱ص ۷۵۱، كتاب الصلاة ، فصل فى الجمعة والعيدين، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

یہ فتویٰ بھی سابقہ فتوے کے مطابق ہے، جس کی توضیح بیان کی جا چکی ہے۔

امدادُ الاحکام کا دوسرا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ایک مقام پر ہے کہ:

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں صرف فلاں صاحب کے (مسجد میں جمعہ کے لیے) منع کرنے سے اذنِ عام فوت نہیں ہوا۔

اذنِ عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلاً حاکمِ وقت منع کر دے۔

اور حاکمِ وقت کی ممانعت سے بھی اذنِ عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کر دے۔

اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے، اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے، تو اذنِ عام فوت نہیں ہوتا، نماز جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی۔

اور فلاں صاحب کی یہ حرکت خلافِ شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے، اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرے۔ واللہ اعلم بالصواب، ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب من جامع تتمۂ امداد الاحکام:

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذنِ عام مرتفع نہیں ہوتا، الَّا آنکہ کہنے والا صاحبِ حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا، حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کردے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگادے، تو اذنِ عام فوت ہوجائے گا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہر حال جمعہ جائز ہوجائے گا۔

فی الشامی "قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفادہ التعلیل تأمل "

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امداد الاحکام، ج۱، ص۷۸۲، ۷۸۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

امداد الاحکام کا مذکورہ فتویٰ، علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ موقف کے مطابق ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ جب شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم ہو، تو اذنِ عام کا نہ ہونا، جمعہ کی صحت کے لیے مانع نہیں۔

اور آج کل چونکہ ہمارے دیار میں شہر کے اندر جگہ جگہ جمعہ قائم کیے جاتے ہیں، جن کے جائز ہونے پر اصحابِ فقہ وافتاء کو بھی اشکال نہیں، اور حکومت کی طرف سے بھی ممانعت نہیں۔

www.idaraghufran.org

ایسی صورت میں گھر کے اندر دیگر شرائط کا اعتبار کرتے ہوئے، دروازے بند کر کے اور اشتہار وتشہیر کے بغیر جمعہ فی نفسہٖ جائز ہوگا۔

اور جب متعدد حنفیہ کی تصریحات کے مطابق، تعددِ جمعہ کی تکثیر بلا حاجت کے بھی جائز ہے، تو مخصوص اعذار وحالات میں اپنی متعلقہ معتبر شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے، جا بجا گھروں اور عمارتوں وغیرہ میں دروازے بند کر کے اور اعلان وتشہیر کے بغیر بھی جمعہ جائز ہوگا، اور ایسی صورت میں گھر وغیرہ کے دروازے کھولنے اور اعلان وتشہیر وغیرہ کرنے کا تکلف اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

اور موجودہ قانونی ومخصوص وبائی ضرورت میں اس طرح جمعے کی نمازوں کے جائز ہونے پر اشکال وشبہ کرنا درست نہ ہوگا۔

بالخصوص جبکہ قیامِ جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک مسجد بھی شرط نہ ہو، تو ایسی صورت میں تو گھروں میں قیامِ جمعہ کو، نا درست قرار دینا بے جا اور غیر معقول کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ [1]

امدادُ الاحکام کا تیسرا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ہی ہے کہ:

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں، تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں۔

اور ان سب میں وجوبِ جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں، تو جمعہ واجب ہو۔

اور اگر فقط صحت کی شرطیں ہوں، تو واجب نہ کہا جاوے، لیکن پڑھیں، تو صحیح ہو (امداد

[1] والمسجد الجامع ليس بشرط فيجوز فی فناء المصر وهو ما اتصل به معدا لمصالحه من ركض الخيل وجمع العساكر والمناضلة ودفن الموتى وصلاة الجنازة ونحو ذلک (منية المصلی وغنية المبتدی، ص ۲۹۹)

www.idaraghufran.org

الاحکام، ج ۱،ص ۷۸۳، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعۃ و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی،

طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ اگر شہر کی کسی مسجد یا غیر مسجد میں کم از کم چار اشخاص بھی جمعہ قائم کریں، تو جمعہ جائز ہے۔

امدادُالاحکام کا چوتھا حوالہ

امدادُالاحکام میں ہی ہے کہ:

جہاں حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو، اگر وہاں جمعہ فوت ہوجاوے، تو بدون اذنِ حاکم دوسرا جمعہ نہیں ہوسکتا۔

باقی ہمارے ملک میں چونکہ تقررِ امام کا مدار، تراضیِ مسلمین پر ہے۔

اس لیے یہ باقی ماندہ لوگ، کسی کو امام بنا سکتے ہیں، اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں، غرضیکہ اہلِ مصر کو تنہا تنہا ظہر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو، یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا، تو جب ہے کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں۔

اور اگر چار سے کم یعنی دو تین آدمی رہ جاویں، تو وہ ظہر پڑھیں، اور الگ الگ پڑھیں، جماعت نہ کریں۔

(امدادالاحکام، ج ۱،ص ۷۸۵، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعۃ و العیدین ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

مذکورہ فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ جب کسی علاقے میں تقررِ امام کا مدار وہاں کے متعلقہ افراد کی رضامندی پر ہو، جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہے، تو کم از کم چار افراد بھی اپنے میں سے کسی کو امام مقرر کر کے جمعہ قائم کر سکتے ہیں۔

اور یہ حکم اس صورت کو بھی شامل ہے، جب کسی آبادی میں اتفاق سے، ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا

ہو، وہاں اگر کم از کم چار افراد جمعہ سے رہ جائیں، یا کسی کو چار افراد، جمعہ پڑھنے والے میسر ہوں، تو ان کو دوبارہ جمعہ کی نماز جائز ہے۔

ہم بھی موجودہ حالت میں اس فتوے کے مطابق جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور جب اس طرح جمعہ کے قیام سے بھی کوئی مانع ہو، یا چار افراد سے کم ہی موجود ہوں، تو ایسی حالت میں ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہوگا، لیکن وہ بھی حنفیہ کے نزدیک، بغیر جماعت کے۔

”فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند“ کا حوالہ

”فتاویٰ دارالعلوم دیوبند“ میں ہے کہ:

امصار وقصبات میں جمعہ ادا ہونے کے لیے، مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، علاوہ مساجد کے دوسرے مکانات اور کارخانوں میں اور میدانوں میں بھی جمعہ صحیح ہے۔

كما في الدرالمختار: وتؤدي في مصر واحد ،بمواضع كثيرة ، مطلقا على المذهب، وعليه الفتوىٰ.

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج۵ص۷۳، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخِ طبع: ستمبر 2002ء)

مذکورہ فتوے میں مساجد کے علاوہ مکانات اور کارخانوں اور میدانوں میں بھی جمعہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور مکانوں وکارخانوں میں جمعہ کے جائز ہونے کی دلیل یہی پیش کی گئی ہے کہ حنفیہ کے مذہب اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایک شہر میں علی الاطلاق کثیر مقامات پر جمعہ کو اداء کرنا جائز ہے۔

اور جب یہ حنفیہ کا اصل مذہب اور مفتیٰ بہ قول ہے، تو پھر مساجد کے علاوہ کثیر مکانوں اور کارخانوں وغیرہ میں جمعہ کو ناجائز قرار دینا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟ خواہ وہ مقامات کی کثرت کتنی زیادہ تعداد میں کیوں نہ ہو، بالخصوص جبکہ وہ کثرت مخصوص حالات اور ضرورت

کی وجہ سے ہو، اور متعدد حنفیہ بغیر ضرورت کے بھی متعدد مقامات پر جمعہ کے قیام کو جائز قرار دے چکے ہیں، اور اگر ضرورت وحاجت ہی کی قید لگائی جائے، تو یہ ضرورت ان اہلِ شہر یا اہلِ علاقہ، بلکہ خود جمعہ پڑھنے والوں کے اپنے اعتبار سے ہوسکتی ہے، یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی مخصوص ضرورت کی وجہ سے گھر میں جمعہ قائم کریں، یا گھر کے علاوہ کارخانے، یا ہسپتال، یا کسی دفتر وغیرہ میں قائم کریں، اوران میں صحتِ جمعہ کی شرائط بھی پائی جاتی ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخصوص حالت میں وہ ضرورت ایک وسیع شکل اختیار کرلے، جس میں ایک شہر بلکہ ایک سے بھی زیادہ شہروں اوراس سے بڑھ کر پورے ملک کے شہر والوں کو وہ ضرورت پیش آجائے، اور یہ ضرورت مختلف انواع کی ہوسکتی ہے، جس کے متعلق دوسرے مقام پر وضاحت کی جاچکی ہے۔

پھراس نقد وجرح کی ضرورت بھی اس وقت ہے، جب کہ کثیر مقامات پر جمعہ کے قیام کو ضرورت وحاجت کے ساتھ مقید کیا جائے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جوازِ جمعہ کے لیے اس قید کی بھی ضرورت نہیں، البتہ افضلیت کا معاملہ الگ ہے، لیکن ترکِ فضیلت کی وجہ سے کسی پر ملامت نہیں کی جاسکتی، نہ ہی اس کے جائز فعل پر نکیر کی جاسکتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حاجت بھی امرِ اضافی ہے، جس کو کسی خاص صورت میں مقید ومتعین کرنا، اور ضبط میں لانا مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں آج کل شہروں کے اندر ایک ایک محلّہ میں جو متعدد مقامات پر، جمعہ کی نمازیں قائم ہوتی ہیں، اوران پر کوئی نکیر نہیں کی جاتی، جبکہ ان میں بھی حاجت کے اعتبار سے کلام کی گنجائش ہے، لیکن جب عام حالات میں بھی کلام کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، تو مخصوص اور انتہائی مخصوص حالات میں اس پر کلام کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے، بالخصوص جبکہ کلام بھی اس نوعیت کا کیا جائے کہ سِرے سے جوازِ جمعہ کی ہی نفی کردی جائے، اور ملک بھر کے لاکھوں اور کروڑوں افراد کو جمعہ کے شعار اوراس کی برکات سے محروم کردیا جائے، اس کی کس

قدر گنجائش پائی جاتی ہے، اس پر مانعینِ جمعہ کو غور کرنا چاہئے۔

''فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند'' کا دوسرا حوالہ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال وجواب کے اوپر مندرجہ ذیل سرخی قائم ہے:

''بارش کے زمانہ میں، جمعہ کی نماز، باجماعت، گھر میں پڑھ سکتا ہے''

پھراس سرخی کے ذیل میں درجِ ذیل سوال وجواب فارسی زبان میں ہے، جس کا ہم نے آخر میں بزبانِ اردو، ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

سوال: درایام باراں بوجہ کثرتِ بارش وآبِ فراواں راہ چلیدن از حد بیکراں دشوار گزارمی شود مسجد ہم قدرے از مسکن دوراست نادراں ہنگام ادائے صلوٰۃ جمعہ راشرعاً چہ حکم دارد۔ آیادراں ہنگام تکلیف مالانہایۃ کشیدہ برائے صلوٰۃ جمعہ بمسجد رفتن ضرور باشد یا تادی صلوٰہ بمکان کافی کند یانہ۔

الجواب: تعدد صلوٰۃ جمعہ علی القول مفتی بہ صحیح است پس اگر بعذر مطر رفتن بمسجد جامع دشوار باشد بجائے دیگر نماز جمعہ گزاردن بجماعت مشروعہ (وآں سہ مرد است علاوہ امام۔ درمختار) صحیح است۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۷۴، وصفحہ ۷۵، مسائل نماز جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

سوال: ترجمہ: بارش کے موسم میں، بارش کی کثرت اور پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں چلنا بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے، اور مسجد بھی گھر سے کچھ دور ہے، ایسی صورتِ حال میں جمعہ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، کیا اس صورتِ حال میں انتہائی تکلیف برداشت کر کے نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں جانا ضروری ہے، یا جمعہ کو مکان میں ادا کرنا کافی ہوجائے گا، یا نہیں؟

جواب: ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنا مفتیٰ بہ قول کے مطابق صحیح

ہے، پس اگر بارش کے عذر کی وجہ سے جامع مسجد جانا دشوار ہو، تو دوسری جگہ (یعنی اپنے گھر وغیرہ میں، جس کا سوال میں ذکر ہے) نمازِ جمعہ با جماعت مشروع طریقہ پر ادا کرنا (یعنی جبکہ امام کے علاوہ تین مرد حضرات ہوں، جیسا کہ درمختار میں ہے) صحیح و درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۷۴، وصفحہ ۷۵، مسائل نمازِ جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

مذکورہ فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ عذر کی صورت میں گھر میں جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے، اور عذر جس طرح انفرادی ہوسکتا ہے، یعنی چند آدمیوں کو پیش آ سکتا ہے، اسی طرح اجتماعی طور پر بھی پیش آ سکتا ہے، یعنی جملہ اہلِ شہر کے لیے اس طرح کے حالات پیش آ جائیں، جیسا کہ آج کل درپیش ہیں، تو پھر علت کے وسیع ہونے کی وجہ سے ایک گھر وعمارت کے بجائے، کئی کئی گھروں اور عمارتوں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہوگا، خواہ وہ تعداد میں کتنے بھی ہوں، کیونکہ اس باب میں ''مَکانٌ دونَ مَکانٍ'' کی کوئی قید وفرق نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک مصر کی تمام جگہیں جوازِ جمعہ کے اعتبار سے یکساں ہیں، مسجد بھی شرط نہیں۔

پس ایک ایسی بدیہی ضرورت، جو عوام اور حکومت اور پوری دنیا کے انسانوں کو نظر آ رہی ہو، اس سے صرفِ نظر کر لینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

جبکہ متعدد حنفیہ تو بغیر حاجت کے بھی تعددِ مقامات بلکہ تکثیرِ مقامات میں جوازِ جمعہ کو ذکر فرما چکے ہیں۔

''کفایتُ المفتی'' کا حوالہ

''کفایتُ المفتی'' میں ہے کہ:

ہاں مکان میں بھی جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، جبکہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو، مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز قائم کرنا، اور مسجد کو معطل نہیں کرنا چاہیے (کفایت المفتی، ج ۳،

ص ۲۳۱، کتاب الصلاۃ، پانچواں باب، نمازِ جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: جولائی 2001ء)

مذکورہ فتوے میں مکان کے اندر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، مگر اس کی ہمیشہ عادت بنا لینے اور مسجد کے معطل کر دینے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

اور موجودہ حالات میں اگر چار پانچ افراد مسجد میں بھی جمعہ قائم کریں، تو مسجد کا معطل ہونا لازم نہیں آتا، بشرطیکہ اس میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ ہو۔

اور مخصوص حالت و مجبوری میں ایسا کرنا، ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے میں داخل نہیں۔

مذکورہ فتوے میں بھی مکان میں جمعہ کی اجازت دی گئی، لیکن ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے سے منع کیا گیا، تفقہ کا تقاضا یہی ہے کہ ضرورت کے تحت اجازت دی جائے، اور ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے سے منع کیا جائے، نہ یہ کہ اس قسم کے خدشہ کی بناء پر ضرورت کا راستہ ہی بند کر دیا جائے، اور اوپر سے لوگوں کو جمعہ سے محروم کر دیا جائے، اور اس کی جگہ نمازِ ظہر کا حکم دیا جائے، پھر اس کو بھی باجماعت اداء کرنے کی ترغیب دی جائے۔

رہا روک ٹوک نہ ہونے کی قید کا معاملہ، تو یہ اذنِ عام کی شرط کا لحاظ کرنے کے لیے ہے، اور اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے، جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

”فتاویٰ رحیمیہ“ کا حوالہ

”فتاویٰ رحیمیہ“ میں ہے کہ:

> جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں، وہ دوسری جماعت نہیں کر سکتے، مکروہ تحریمی ہے۔
>
> البتہ دوسری مسجد، جہاں جمعہ نہ ہوا ہو، وہاں جا کر باقاعدہ خطبہ دے کر نمازِ جمعہ ادا کر سکتے ہیں، یا کسی مکان میں پڑھ سکتے ہیں۔
>
> ظہر پڑھیں، تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبات میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے، ظہر کی

www.idaraghufran.org

نماز، مسجد میں یا مکان میں باجماعت ادا کرنا، ممنوع ہے (فتاویٰ رحیمیہ، ج۶ص۸۲،

کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: مارچ 2009ء)

مذکورہ فتوے میں بھی باقی ماندہ لوگوں کو دوسری مسجد یا مکان میں جمعہ پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

''فتاویٰ محمودیہ'' کا حوالہ

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے کہ:

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ، درست ہے، اوراس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے، تب بھی۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذھب، وعلیه الفتویٰ، شرح المجمع للعینی، وامامة فتح القدیر، دفعاً للحرج............ اھـ، درمختار.

(قوله: مطلقا) ای سواء کان المصر کبیرا او لا، الخ.

واللہ سبحانهٗ وتعالیٰ اعلم.

(فتاویٰ محمودیہ، ج۸ص۱۸۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارہ الفاروق، کراچی، سنِ طباعت

بارِسوم: 2009ء)

اس فتوے سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شرائطِ جمعہ پائی جانی والی بستی میں ایک سے زائد اور متعدد مقامات پر اگر بغیر حاجت کے بھی جمعہ پڑھا جائے، تو وہ درست بھی ہوتا ہے، اوراس سے جمعہ کا فریضہ اداء بھی ہوتا ہے۔

اور مذکورہ فتوے میں متعدد مقامات سے ''مقاماتِ مساجد'' مراد نہیں، اور نہ ہی حنفیہ کے نزدیک قیامِ جمعہ کے لیے مسجد، یا مساجد کا ہونا، شرط ہے، بلکہ ایسی بستی کا ہونا کافی ہے، جس

میں جمعہ صحیح ہونے کی شرائط پائی جاتی ہوں، اور مذکورہ فتوے میں بھی اسی چیز کی قید کے ساتھ مذکورہ مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔

پس جو حضرات حاجت کے وقت بھی متعدد مقامات، یا کثرتِ مقامات کی نفی کر کے قیامِ جمعہ کو ناجائز قرار دے رہے ہیں، جب کہ اس میں فقہائے کرام کی بیان کردہ، صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہیں، اور ان حضرات کی طرف سے قیامِ جمعہ کو ناجائز، یا عدمِ صحیح قرار دینے کی کوئی معقول اور مؤثر دلیل بھی پیش نہیں کی جارہی، فقہائے کرام کی تصریحات کے مقابلہ میں ان کا قول لائقِ التفات معلوم نہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جب شہر میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ کا قائم کرنا، جائز ہے، اور اس کے مطابق عام حالات میں بلانکیر عمل جاری ہے، اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق، اگر ضرورت سے زائد مقامات پر جمعہ کی نمازیں قائم کی جائیں، تب بھی گناہ نہیں، اور جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا بھی ضروری نہیں، جو جگہیں، شہر کی حدود میں ہوں، خواہ کھلے میدان کی شکل میں ہوں، یا عمارت وبناء کی شکل میں، ان سب میں نمازِ جمعہ جائز ہے، اور راجح یہ معلوم ہوا کہ شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ ہونے کی صورت میں کسی جگہ جمعہ قائم کرتے وقت، دروازہ بند کرنے میں بھی حرج نہیں۔[1]

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

---

[1] یہ مضمون مکمل کرنے کے بعد کراچی کے ایک مفتی صاحب کا فتویٰ، ایک صاحب نے بندہ کے پاس بھیجا، اور اس سے متعلق کچھ امور دریافت کیے۔

اس فتوے میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:

''موجودہ صورتِ حال میں مساجد اور گھروں میں نمازِ ظہر ادا کی جائے گی، یہی اقرب الی الاحتیاط ہے''

حالانکہ جن لوگوں میں جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط موجود ہوں، اور انہیں کسی قانون شکنی وغیرہ کے بغیر جمعہ کا قیام ممکن ہو، ان کے جمعہ کے فریضہ کو ترک کرا کر ظہر، کا حکم لگانا ''اقرب الی الاحتیاط'' تو کیا ہوتا، فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق مکروہ تحریمی سے کم نہیں۔

اور اس فتوے میں جو عدمِ صحتِ جمعہ پر استدلال کیا گیا ہے، اس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ، الگ مضمون میں جلد ہی تحریر کیا جائے گا۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

ایک توضیح

اوراب رمضانُ المبارک کے آغاز سے قبل، جبکہ حکومتِ پاکستان اور مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ علمائے کرام کے مابین ایک معاہدہ طے پایا ہے، جس کے مطابق، مساجد میں دو صفوں کے مابین ایک صف کا فاصلہ چھوڑ کر، صفیں بنائی جائیں گی، اور ہر نمازی کے دائیں بائیں کم از کم تین فٹ کا فاصلہ رکھا جائے گا، اور پچاس سال سے زائد عمر کے افراد، اور کھانسی، نزلہ، زکام اور بعض دوسری اہم بیماروں کا شکار افراد مساجد میں حاضر نہیں ہوں گے، بلکہ وہ گھروں میں ہی نمازیں اداء کریں گے، اوران شرائط کی خلاف ورزی کی سخت ممانعت کی گئی ہے، اور عوامُ الناس کوان ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ الگ بات ہے کہ اس پر کتنے فیصد عملدرآمد ہوتا ہے، اور خلاف ورزی پر بھی کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ہماری نظر میں موجودہ قانون اور معاہدہ کے مطابق، ایک مرتبہ پھر نمازِ جمعہ کے، گھروں وغیرہ میں قیام کا مسئلہ زیرِ بحث رہے گا۔

کیونکہ اس صورتِ حال کے تناظر میں یہ ظاہر ہے کہ بہت سے جوانوں اور صحت مندوں کو جمعہ کے لیے ہر صف کے درمیان ایک صف، اور ہر نماز کے درمیان 3 فٹ کا فاصلہ کرنے کی وجہ سے مساجد میں جگہ میسر آنا مشکل ہوگا، اور بعض ایسے لوگوں کو بھی مساجد یا دیگر مقامات پر جمعہ کے بڑے مجامع میں شریک ہوکر جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہوگا، جن پر شرعی وفقہی اعتبار سے جمعہ کی نماز واجب ہے، مثلاً پچاس سال سے زائد عمر کے افراد، یا نزلہ، زکام، کھانسی، اور بعض دوسری مخصوص بیماریوں میں مبتلا اشخاص، جو ادائیگیٔ جمعہ پر قادر ہیں۔

ایسی صورتِ حال میں بھی ہمارے نزدیک، اگر گھروں وغیرہ میں جمعہ کی نمازیں قائم کی جائیں، تو گھروں وغیرہ میں اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا، اوراس میں کوئی گناہ یا کراہت لازم نہ آئے گی، اوران کے نمازِ جمعہ کو غیر درست قرار دینا درست نہ

ہوگا، اگرچہ ان کے ساتھ بعض نوجوان، اور نزلہ، زکام وغیرہ جیسی بیماریوں سے محفوظ افراد اور گھر کی خواتین، اور یہاں تک کہ گھر وغیرہ سے باہر جانے سے معذور افراد بھی کیوں نہ شریک ہوجائیں، اور اس کے بعد ان کو ظہر کی نماز پڑھنا بھی ضروری نہ رہے گا۔

جس کی تفصیل ہم اپنے مندرجہ بالا مضمون میں ذکر کر چکے ہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

www.idaraghufran.org

(خاتمہ)

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو مختلف عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی گئی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ شہروں کے اندر، جمعہ کے دن، آزاد، بالغ اور عاقل، صحت مند، مقیم مرد پر جمعہ واجب ہے، لیکن جمعہ کی نماز کے لیے جماعتِ مخصوصہ شرط ہے، لہٰذا اس کے قیام کے لیے مخصوص افراد کا اجتماع بھی شرط ہوگا، جو کہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق مجموعی طور پر چار عاقل، بالغ مرد افراد کا موجود ہونا ہے، اور جب کسی شہر کی حدود میں کسی جگہ کم از کم اتنے افراد موجود ہوں گے، تو ان پر نمازِ جمعہ واجب ہوگا، خواہ وہ مسجد یا جامع مسجد میں ہوں، یا اس سے باہر ہوں، اور مسجد کے قریب ہوں، یا دور ہوں، اور خواہ گھر میں ہوں، یا کسی دوسری عمارت میں، یا کھلے میدان میں، اور جب تک اتنے افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کے مجاز مسلم حاکم کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی، تو نمازِ جمعہ پڑھنا جائز بھی ہوگا۔

اور شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم ہونے کی صورت میں جمعہ کے قیام والے مقام کے دروازے بند کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور اسی اصول کی بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ، مذکورہ تفصیل کے مطابق نمازِ جمعہ کو واجب اور صحیح قرار دیتے ہیں، اور جمعہ کے قیام پر قدرت حاصل ہونے والے اشخاص وافرد کو نمازِ جمعہ کو ترک کر کے نمازِ ظہر پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن عندالحنفیۃ ان کے فریضہ کے ادا ہوجانے کا حکم لگاتے ہیں۔

اور اس کے برخلاف جو بعض اہلِ علم حضرات مذکورہ تفصیل کے مطابق قیامِ جمعہ کے وجوب اور اس سے بڑھ کر صحتِ جمعہ کی نفی کر رہے ہیں، ہم ان کے قول کی حنفیہ کے اصول وقواعد اور

www.idaraghufran.org

جزئیات وتصریحات سے تائید نہیں پاتے، اس لیے ان کے قول کو عندالحنفیۃ نا قابلِ اعتبار اور نا قابلِ قبول سمجھتے ہیں۔

اور بعض حضرات، جو موجودہ حالات میں ''اذنِ عام'' کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے، عدمِ صحتِ جمعہ کا حکم لگا رہے ہیں، ان کے بیان کردہ دلائل سے بھی ہمیں اتفاق نہ ہوسکا۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

27/شعبان المعظم/1441ھ 21/اپریل/2020 بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان